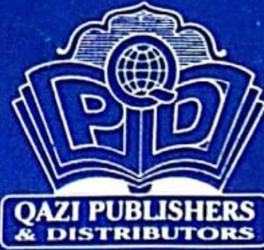
مسئلہ کفو

اور

اشاعتِ اسلام

مولانا عبدالحمید نعمانی



قاضی پبلیشرز و ڈسٹری بیوٹرز

بی-۳۵، بیسمینٹ، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی-۱۳

مسئلۂ کُفو

اور

اشاعتِ اسُلام

عبدالحمید نعمانی



قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

بی-۳۵ (بیسمینٹ) حضرت نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی-۱۳

نام کتاب	:	مسئلہ کفو اور اشاعت اسلام
مصنف	:	مولانا عبدالحمید نعمانی
تعداد بار اول	:	۱۰۰۰
تعداد بار دوم	:	۱۰۰۰
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۲ء
قیمت	:	-/16 روپے
مطبع	:	بھارت آفسٹ، دہلی-۶

ناشر:

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

بی-۳۵ (بیسمینٹ) حضرت نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی - ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضات

کبھی کبھار تعبیر خواب سے بڑھ کر اور خوبصورت ہوتی ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو آدمی اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا ہے' صرف محسوس کر سکتا ہے۔ جنوبی ہند کے مختلف گاؤں اور دور دراز علاقوں اور وہاں کے ماحول کو سر کی کھلی آنکھوں سے دیکھنا میرے لیے ایک اچھے خواب کی اچھی عملی تعبیر تھا۔ بچپنے میں جب اسکول کے ابتدائی درجوں کی کتابوں میں جنوبی ہند کے کیرلا مدراس وغیرہ کے سماجی حالات کے بارے میں پڑھا اور تصویروں میں ناریل کے گھنے درختوں کے دور دور تک تا حد نگاہ پھیلے ہوئے سلسلے کو دیکھا تو مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میرے خواب کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے کیونکہ خواب بھی چاہے تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو زندگی کا پیغام دے جاتا ہے۔ لیکن عمل تعبیر میں بہرحال حقیقت کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ اس لیے جب ستمبر ۱۹۹۴ء میں قابل قدر جناب پروفیسر نصراللہ صاحب کی طرف سے اسلام کی اشاعت کے تعلق سے مسئلہ کفو پر اظہار خیال کی دعوت ملی تو میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ہاں کردی اور اس "ہاں" میں مولانا محمد اقبال قاسمی بھی برابر کے شریک ہیں۔

جنوبی ہند کے مدراس کے کسی شہر' قصبہ میں کسی مسئلے پر اظہار خیال کرنا زبان کے حوالے سے ایک پریشان کن بات تھی لیکن جب وانمباڑی جیسا اردو والا شہر ہو تو کوئی پریشانی' دقت نہیں ہونی چاہیے۔ وانمباڑی گویا کہ جنوبی ہند کا علی گڑھ ہے۔ سب ہی اردو میں باتیں کرتے ہیں۔ دل کی خوبصورتی' شرافت اور اہل علم کی قدر دانی کا تو جواب نہیں ہے۔ لوگ بہت پیارے ہوتے ہیں۔ اس لیے پیار کرنا بھی جانتے ہیں۔ غیور بھی اتنے ہی واقع ہوئے ہیں۔ وانمباڑی' مدراس' ویلور جیسے شہروں میں حضرت شاہ ولی اللہ حضرات شہیدین' سید احمد بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید' حضرت شیخ الہند۔ دیوبند' علی گڑھ اور خلافت و آزادی کی تحریکات کے اثرات واضح طور پر اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

وانمباڑی کے عوام کی دینی غیرت و حمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آرکاٹ کے نواب نے جب انگریزوں سے ہاتھ ملا لیا تو وانمباڑی کے غیور

عوام نے بغاوت کردی۔ وانمباڑی کے اسلامیہ ہائی اسکول اور اسلامیہ کالج قابل دید تعلیمی ادارے ہیں۔ حیدر آباد کے نواب نے کہا تھا کہ اگر اسلامیہ کی بجائے عثمانیہ نام رکھ دیا جائے تو سارا خرچ حیدر آباد سرکار اٹھائے گی۔ اس کا جواب وانمباڑی کے غیور مسلمانوں نے یہ دیا کہ عثانیہ ختم ہو سکتا ہے لیکن اسلامیہ نہیں اور ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے کہ عثانیہ سرکار ختم ہوگئی اور اسلامی ادارے آج بھی زندہ و تابندہ اور ترقی کی سمت میں بڑی تیزی سے گامزن ہیں۔ آخرالذکر زندہ تعلیمی ادارہ کے زندہ دل' فعال' ہردل عزیز پروفیسر جناب نصراللہ صاحب ہیں جو مولانا محمد اقبال قاسمی سے خصوصی رفاقت اور دوستی کا رشتہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے مخلص آدمی کسی پروگرام میں شرکت کی دعوت دیں تو خواب کے ٹوٹنے کی قیمت پر بھی قبول کرنا بہرحال گھاٹے کا سودہ نہیں ہے اور وہ بھی جب کہ اسلام اور مسلم ملت کے کسی مسئلے کے حوالے سے ہو۔ یہ تحریر اس عملی تعبیر کا روپ ہے۔

مسئلہ کفو کے حوالے سے اشاعت اسلام پر اظہار خیال کی ضرورت کو اہل وانمباڑی نے انجمن خدام القرآن کی قیادت میں جس شدت سے محسوس کیا۔ اس کے لیے اہل انجمن کے ساتھ وہ تمام افراد مبارک باد کے مستحق ہیں جو اشاعت اسلام کے تعلق سے مشترک جذبہ رکھتے ہیں۔

اس حقیر تحریر کی غرض و غایت' منظر اور پس منظر کیا ہے؟ اس پر مولانا محمد اقبال قاسمی کے مقدمے سے بڑی حد تک واضح روشنی پڑتی ہے۔ تحریر مقدمہ کے لیے مولانا محمد اقبال صاحب قاسمی کا شکریہ جن الفاظ میں بھی ادا کروں گا وہ رسمی ہوں گے اور ہلکے پھلکے بے جان الفاظ ہمارے جذبات کی اس بلندی کو بہرحال نہیں پہنچ سکتے ہیں جہاں ہمارے جذبات پہنچ چکے ہیں۔ جناب پروفیسر نصراللہ' مولانا مفتی سہیل صاحب اور دیگر منتظمین انجمن کے بارے میں بھی اس سے مختلف ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔

ایک بات کتابچے کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ہم نے ذال کی بجائے "جیم" سے جات لکھا ہے۔ ایسا ہندی زبان کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ گرچہ ذات ہی کثیرالاستعمال ہے اور دیگر بہت سے معانی کے علاوہ اس معنی میں بھی لکھا اور بولا جاتا

ہے جو جات پات کا مفہوم ہے۔ تاہم ہندی زبان اور اردو لغات و ڈکشنریوں میں یہ جائز الاستعمال قرار دینے کی وجہ سے قبیلہ' برادری کے معنی میں بھی "جات" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حوالہ کے تعلق سے یہ بات ذہن میں رکھنے والی ہے کہ کتاب کا صفحہ نمبر دینے کے بجائے عموماً "کتاب یا باب کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ کتاب کے مختلف مطبوعوں کے ہونے کی وجہ سے صفحہ نمبر میں فرق ہونے کے سبب قارئین کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ متعلقہ باب یا کتاب میں محولہ بات بڑی آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہے۔

۵ر مئی ۱۹۹۵ء

عبدالحمید نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ایک شیخ زادی سے ایک روغن گر کے نکاح کو انعقاد کے بعد محض عدم کفو کی بنیاد پر باطل قرار دینے والے ایک فتوے کو لے کر کفو کی شرعی حیثیت پر روزنامہ قومی آواز، دہلی میں مہینوں گرماگرم بحث چلی۔ برادریوں کی طبقہ وارانہ تقسیم کے حامی، کفو کے قائل حضرات نے بعض ضعیف روایات اور قدیم فتاوی کا سہارا لیا، جب کہ مخالفین نے مسئلہ کفو کو اسلامی مساوات کے منافی ثابت کرنے پر زور لگایا۔ اس مسئلہ میں مولانا عبدالحمید نعمانی کی اعتدال پر مبنی علمی و تحقیقی تحریروں کو بہت سراہا گیا۔ دہلی و یوپی کے مختلف مقامات سے قارئین کے تائیدی مراسلات اور تعریفی خطوط کا تانتا بندھ گیا۔

اسی دوران جنوبی ریاستوں کرناٹک اور آندھراپردیش میں انتخابات کی مناسبت سے مرکزی حکمراں جماعت نے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے تعلیمی اداروں اور سرکاری ملازمتوں میں تحفظات کی بات چھیڑ دی جس نے طبقہ واری اونچ نیچ کو مزید ہوا دی۔ موجودہ حالات میں مذکورہ تحفظات کی سخت ضرورت کو مجبوری کے درجہ میں تسلیم کرتے ہوئے بعض سنجیدہ رہنماؤں نے بجا طور پر یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ ۱۹۲۴ء میں اولین انتخابات کے موقعہ پر مسلمانوں کے لیے حلقوں اور نشستوں کے تحفظات کی بات چلائی گئی تو آخر وہ تقسیم ملک تک جا پہنچی۔ ۸۰ء کی دہائی میں پس ماندہ طبقات اور پچھڑی ذاتوں کے لیے تحفظات کا مسئلہ زور و شور سے اٹھا تو ہندوؤں میں ذات پات کی جنگ چھڑ گئی، طبقہ وارانہ فسادات اور پرتشدد مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ ابتدائی تعلیمی و معاشی تحفظات ایک دن سیاسی رخ اختیار کرلیں جو برادری واد اور ذاتِ پات کی اونچ نیچ کو مزید ابھار کر تلخی و منافرت کو بڑھاوا دے۔

زبان، رنگ روپ، پیدائش، خاندان، حسب نسب اور پیشہ کی اختیاری و

غیراختیاری تفریقات کے برخلاف انسان اور انسان کے درمیان فطری مساوات کی اسلامی تعلیمات نے جہاں دنیا کی اور قوموں کو متاثر کیا' وہیں منوسمرتی کے ورن آشرم کے زیراثر ذات پات کی اونچ نیچ پر مبنی ہندو سماج خصوصاً" پسماندہ طبقات کو ابدی اہانت سے نجات کا راستہ دکھایا' بلکہ ہندستان میں اشاعت اسلام کا بہت بڑا سبب اسی کو قرار دینا کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ آج بھی نماز و دیگر عبادات اور عام رہن سہن کے طور طریق میں اسلامی اخوت کو دیکھ کر برادران وطن مذہب اسلام میں بڑی جاذبیت محسوس کرتے ہیں۔

لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہاں کے "آبائی" مسلمان جب شادی بیاہ کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو ذات برادری کی غلط اور غیراسلامی سوچ کے پیچھے پڑکر اسلامی مساوات کا پردہ چاک کردیتے ہیں اور ذات پات کی اونچ نیچ کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں جو اسلام کی طرف مائل اور مساوات کی تعلیم سے متاثر بہت سے سنجیدہ غیرمسلموں کو متوحش کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہ مسئلہ اس وقت خطرناک اور سنگین صورت اختیار کرلیتا ہے جب کوئی نیا نیا مذہب اسلام کو قبول کرتا ہے اور سچے دل سے مسلمان ہوجاتا ہے تو عام مسلمان اسے یقیناً بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' سینے سے لگاتے ہیں' استقبال کرتے ہیں' بڑی بڑی فضیلتیں اس کی بیان کرتے ہیں' ہر طرح کا تعاون پیش کرتے ہیں۔ لیکن' ہاں' ان سب کے باوجود اس "نومسلم" کو کبھی اپنی بیٹی دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ جنوبی ہند میں نو مسلموں کی ایک قدیم تنظیم ہے جس کی اکثریت ہنوز غیرشادی شدہ ہے۔ اگر اتفاقاً" کسی کی شادی بھی ہوجائے تو اولاد کا مسئلہ کھٹائی میں پڑجاتا ہے۔ یہ پورے مسلم سماج کے لیے ایک چیلنج ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس غلط رواج کو فقہ اور بعض فتاوی کی کتابوں میں موجود مسئلہ کفو سے متعلق تحریروں سے بڑی تقویت ملتی ہے۔

یہی وہ سنگین اور تشویشناک صورت حال ہے' جس میں "انجمن خدام القرآن' وانمباڑی" نے ۲؍جنوری ۹۵ کو منعقدہ مولانا خطیب عبدالجلیل صاحب میموریل لکچر کے لیے "مسئلہ کفو اور اشاعت اسلام" کو موضوع بنایا اور مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی کو مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی۔ موصوف نے مسئلہ کے تمام

پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کیا ہے جس سے ناقابل تردید دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ تحریر لوگوں کے شدید اصرار و خواہش کی پیش نظر شائع کی جارہی ہے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ اگر ارباب حل و عقد، علماء کرام اور ذمہ داران ملت اس تحریر پر سنجیدگی سے غور فرمائیں اور ذات برادری کی اونچ نیچ کو ختم کرنے کی طرف عملی اقدامات کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ اشاعت اسلام میں ایک بڑی رکاوٹ کافی حد تک دور ہو سکتی ہے۔

محمد اقبال قاسمی

سابق ناظم انجمن خدام القرآن، وانمباڑی۔

۷ر مئی ۱۹۹۵ء

مسئلہ کفو اور اشاعت اسلام

تمہید

اسلام ایک مکمل دین فطرت ہے جو انسانی فطرت کے چوکٹھے میں مکمل طور پر فٹ بیٹھتا ہے جب بھی انسان خود' خدا اور کائنات کے بارے میں سنجیدگی سے سوچے گا' اپنے تمام تر فطری سوالات کا فطری جواب اسلام کی صورت میں پائے گا۔

قبول اسلام کی وجوہ

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والی اقوام کو اسلام کے مختلف پہلوؤں نے متاثر کیا ہے اور قبول اسلام کے علل و اسباب بھی مختلف رہے ہیں لیکن اقوام عالم کو اسلام کی جس تعلیم نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور اور قبول اسلام کی وجہ بنی' وہ اسلام کا تصور مساوات اور احترام آدمیت کی تعلیم ہے۔ عرب کے قبائلیوں اور افریقہ کے دور دراز علاقوں کے وحشیوں کو اسلام کے تہذیبی پہلو نے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ لیکن جہاں تک برصغیر غیر منقسم ہندستان اور عجمی رایرانی خطے کا سوال ہے۔ ان کے بارے میں جو تاریخی شواہد ہیں ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہاں تصور مساوات اور اس سے نکلنے والی انسانی محبت لوگوں کے قبول اسلام کا موثر ذریعہ ثابت ہوئی۔

ہندستانی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ہندستانی عوام کے دائرۂ اسلام میں آنے کی وجہ برہمنی نظام' اونچ نیچ' چھوت چھات اور اپنے سوا سب کے لیے انتہائی تحقیر و تذلیل آمیز رویہ اور اسلامی مساوات ہے۔ یہ بات گرچہ پورے ہندستان کے تعلق سے کہی جا سکتی ہے۔

جنوبی ہند کی صورت حال

تاہم جنوبی ہند پر زیادہ صادق آتی ہے۔ کیونکہ شمالی ہندستان کے مقابلے جنوبی

ہندستان میں برہمنی نظام سخت اور مستحکم تھا۔ جب شمالی ہندستان کے صوبہ بہار سے برہمنی نظام کے خلاف مذہب کی پرزور تحریک اٹھی تو اس کی لپیٹ میں پورا شمالی ہندستان آگیا تھا۔ لیکن جنوبی ہند بودھ ازم کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رہا اور اس کا کامیاب اور خونریز مقابلہ جنوب ہند ہی نے کیا تھا۔ بعد میں شنکر آچاریہ نے جس انداز میں بودھ دھرم کا مقابلہ کیا' وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔

طبقاتی اور سماجی لحاظ سے جنوبی ہند کی کیا صورت حال تھی' اس کا اندازہ تاریخ کی ان شہادتوں سے ہو سکتا ہے جو اوراق تاریخ پر بکھری ہوئی ہیں۔ بقول صاحب تحفۃ المجاہدین شیخ زین الدین معبری (متوفی ۹۲۸ھ)

"ہنود میں رسم و رواج کی بندشیں اور جات کی پابندیاں مدت تک قائم تھیں اور اعلیٰ جات کا کوئی آدمی کسی ادنی جات کے آدمی سے چھو جاتا تھا یا مقررہ حد سے قریب ہو جاتا تھا تو غسل کے بغیر اس کے لیے کھانا کھانا جائز نہیں۔ اگر بغیر غسل کے کھالیتا ہے تو اپنی جات سے باہر ہو جاتا ہے۔ ادنی جات کا پکایا ہوا کھانا اعلیٰ جات والوں کے لیے منع ہے۔ اگر اعلیٰ جات کا مرد کسی ادنی جات کی عورت سے شادی کرتا ہے یا کسی اعلیٰ جات کی عورت کے ساتھ کسی ادنی جات کے مرد کی شادی ہو جاتی ہے تو اعلیٰ جات والا اپنی جات سے خارج ہو جاتا ہے"۔

"تاریخ جنوبی ہند" میں جناب محمود علی خاں نے متعدد حوالوں سے لکھا ہے:

"اگر نائر کسی پولیے کے اس قدر قریب ہو جائے کہ اس کا سانس اس تک پہونچ سکے تو نائر سمجھتا ہے کہ وہ ناپاک ہو گیا ہے اور مجبوراً اس پولیے کو قتل کر دیتا ہے۔ اگر وہ نائر اس پولیے کو قتل نہ کرے اور راجا کو معلوم ہو جائے تو راجہ نائر کو مروا دیتا ہے۔ جب کبھی پولیے گھروں سے باہر کھیتوں میں نکلتے ہیں تو اس اتفاق سے بچنے کے لیے متواتر پولو پکارتے ہیں کہ نائر موجود ہوا، تو ہٹ جائیں اور جب نائر اس آواز کو سن لیتا ہے تو چلا کر کو کو کہہ دیتا ہے۔ اس سے پولیا سمجھ لیتا ہے کہ وہ نائر موجود ہے اور وہ راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتا ہے۔"

اس کے علاوہ اس کی بھی تاریخی شہادت ہے کہ ادنی جات کے لوگ جوتیاں

پہن کر گاؤں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کی عورتوں کو اپنی ساڑھی کا پلو دائیں ہاتھ کی طرف چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ ساڑھی کا پلو دائیں کی طرف صرف اعلیٰ جات کی ہندو عورتیں چھوڑ سکتی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ نیچ جات کی عورتیں اپنا سر اور سینہ اونچی جات والوں کے سامنے چھپا نہیں سکتیں۔ (تفصیلات تاریخ جنوبی ہند میں دیکھیں)

رسم و رواج کی یہی وہ ذلت آمیز پابندی اور احساس تھا جس نے جنوبی ہند کے لوگوں کو قبول اسلام کے لیے آمادہ کیا حتی کہ اعلیٰ جات کے ہندو بھی قبول اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ قبول اسلام کی ایک وجہ خلاف رسم و رواج کسی فعل کے ارتکاب کے بعد بدنامی سے بچنا بھی تھی۔ تاریخ جنوبی ہند کے مصنف نے لکھا ہے کہ رسم و رواج کے خلاف اگر کسی فعل کا ارتکاب کیا جاتا تو اس کی بدنامی سے بچنے کے لیے یا تو وطن چھوڑ کر ایسی جگہ چلے جاتے جہاں ان سے کوئی واقف نہ ہو یا اسلام قبول کر لیتے۔ پولیوں کے لیے جات سے بچنے کا طریقہ صرف قبول اسلام تھا۔ جو اسلام قبول کر لیتے انہیں مساوات کا درجہ مل جاتا تھا۔

ایک دوسرے مورخ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت ہی تھی کہ دوسری قوموں کو اس مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ عرب تاجروں کا پاک و صاف کردار اور بلند اخلاق نے اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ساتھ ہی بزرگان دین خواجہ نظہر ولی جو خواجہ مظہرالدین کے نام سے جانے جاتے تھے اور ان کے خلفاء میں سے حضرت بابا فخرالدین کی جدوجہد کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر تصوفانہ تحریروں اور ہندستان میں اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عرب سے آنے والے تاجروں اور حضرات صوفیا کو اشاعت اسلام میں جو زبردست کامیابی ملی اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے ہندستانی عوام کو اپنا سمجھ کر سینے سے لگایا۔ نتیجتاً ہندستانی عوام نے بھی انہیں اپنا سمجھا اور محبت کرنے والے کا پیغام اسلام قبول کر لیا۔

برادرانہ اونچ نیچ کے علل و وجوہ

تاریخ تصوف اور اسلامی دعاۃ و مبلغین کے حالات زندگی اور ان کی دینی جدوجہد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ جس تندہی، دلسوزی، دردمندی اور خلوص سے تبلیغ دین کا کام کررہے تھے، اس حساب سے تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ بزرگان دین، اکابر صوفیاء اور دعاۃ اسلام کی لاپرواہی کم نظری نہیں جیسا کہ کچھ غیرمحتاط اہل قلم کہہ اور لکھ جاتے ہیں۔ بلکہ کام بہت اور وقت انتہائی کم کا معاملہ تھا۔ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو خدا کے دین حق کے دائرے میں لے آیا جائے۔ بعد میں یا تو خود صحیح مسلمان ہوجائیں گے یا تربیت ہوجائے گی لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا۔ نتیجتاً ملک کے مختلف حصوں میں جن ہندستانی عوام نے اسلام قبول کیا وہ بہت سے اپنے سابقہ سماجی نظریات و عقائد، خیالات اور سوچ بھی اپنے ساتھ لائے۔ جات برادری اور پر تحقیر سماجی سوچ بھی ان سوچوں میں ایک ہے جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر قبول اسلام کے بعد بھی جات برادری کے حوالے سے اونچ نیچ، تقدیس و تحقیر اور شرافت و رزالت کا تصور کیوں ختم نہیں ہوا۔ ایک وجہ تو وہی ہے جس کا ذکر ماقبل میں کیا گیا کہ کم وقت اور زیادہ کام ہونے کی وجہ کماحقہ تربیت پر توجہ نہیں دی جاسکی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جو مسلم حکمراں اور دعاۃ و مبلغین عجمی خطوں ایران، ترکی، غزنی اور قبائلی علاقوں سے آئے تھے، ان میں بھی کسی نہ کسی صورت میں سماجی اونچ نیچ اور اعلیٰ ادنی کا نظام قائم تھا۔ اس کی سب سے بہترین اور اعلیٰ مثال میں دور تغلق کے حکمراں اور علماء میں ضیاء الدین برنی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

ضیاء الدین برنی کا نظریہ نسل

ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب فتاویٰ جہاں داری اور تاریخ فروز شاہی کے متعدد مقامات پر ہندستانی مسلمانوں کی مختلف برادریوں کا ذکر انتہائی نفرت انگیز اور حقارت آمیز انداز میں کیا ہے اور اپنے دعوے اور نظریے کی تائید و تقویت کے لیے

انتہائی دور ازکار تاویلات افسانوی، مشکوک، منگھڑت واقعات اور کمزور ترین آثار سے کام لیا ہے۔ گرچہ وہ بادشاہ کو ایک ناصح اور عالم بن کر نصیحت و ہدایت کرتا ہے اور بار بار اسلام، قرآن، آں حضرتؐ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کا نام لیتا ہے تاہم اس کے دل و دماغ پر ساسانی اور سامانی بادشاہوں کے طرز حکمرانی اور عجمی قبائلی سوچ کا غلبہ نظر آتا ہے۔ وہ مذکورہ کتاب کی نصیحت نمبر۔ ۱۲ میں کہتا ہے:

"زمانے کی ابتداء سے ہی انسانوں کی خوبیاں اور خامیاں تقسیم کردی گئی ہیں اور انہیں ان کے نفوس کے لیے مقرر کردیا گیا ہے۔ انسانوں کے اعمال و افعال احکام الٰہی سے سرزد ہوتے ہیں جب قادر مطلق خداوند قدوس کسی انسان میں اچھائی یا برائی، نیکی یا بدی پیدا کرتا ہے تو اس کی قدرت بھی عطاء کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اچھائی یا برائی، نیکی یا بدی کا اظہار کرسکے---- یہ قابلیت موروثی ہے اور چوں کہ فضیلتیں ان لوگوں کے اندر پیدا کی گئی ہیں جو عمدہ پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا انہی کو عالی رتبہ، پیدائشی آزاد، نیک دیندار، عالی نصب اور نجیب الطرفین کہا گیا ہے۔ صرف یہی افراد گروہ مسلمانوں کی حکومت کے عہدوں اور منصبوں کے مستحق ہیں۔ رذیلوں اور کم اصلوں کو ترقی دینے سے اس دنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے چونکہ خالق کائنات کی حکمت کے خلاف کام کرنا ناعاقبت اندیشانہ ہے۔ کم اصلوں اور کمینوں کی فریب کاری اور مستعدی پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ ان کی فضیلتیں نقلی ہیں، اصلی نہیں۔

ے فتاویٰ جہاں داری نصیحت نمبر۱۲۔ برنی کے سیاسی نظریے کو محترمہ افسر سلیم خاں اور پروفیسر حبیب نے اپنی کتاب سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ گرچہ پروفیسر حبیب کی بہت سی اشتراکی تعبیرات و تشریحات سے ہمیں اتفاق نہیں ہے تاہم انہوں نے برنی کے نظریے نسل وغیرہ کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہیں۔

برنی قرآن کی آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم "اللہ کے نزدیک سب سے معزز و مکرم وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہے" کی غلط تعبیر و تشریح کرتے ہوئے اسے اپنے مزعومہ اشراف سے جوڑ دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"تقدس اشراف کا حق ہے، لہٰذا بالفرض اگر کوئی پرہیزگار ہے تو اس کے اجداد میں ضرور اشراف کے عناصر ہونگے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ کم اصل ہے، تو پھر اس کا تقدس محض تصنع ہے۔ اگر اللہ کی نظروں میں خانوں، ملکوں اور امیروں کے مقابلے میں قصائیوں، جلاہوں اور دکانداروں کے بیٹوں کی زیادہ عزت ہے تو یہ ایک شرمناک بات ہے۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

"سلطان، صوفیاء اور مشائخ سب سے بالاتر ہیں اور ان کا رتبہ انبیاء کے برابر ہے۔ جب کہ سلطان کے عالی نسب مشیر ان رازوں کو سمجھ سکتے ہیں جو خدا نے اپنی لوح محفوظ میں پوشیدہ رکھے ہیں۔"

بڑی حیرت ہے کہ برنی ان لوگوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے جو اپنی مرضی سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ برنی کی جارحانہ سوچ کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں وہ کہتا ہے "حکومت کم تر درجے سے آنے والے مسلمان لڑکوں کو تعلیم سے باز رکھے اور جو شخص بھی انہیں تعلیم دینے کی جسارت کرے اسے سزا دینی چاہیے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسے جلاوطن کردینا چاہیے"۔ برنی نے یہ اس لیے کہا کہ اس کے بقول تعلیم سے کم اصلوں کو اشراف کے برابر ہونے کا موقع ملتا ہے۔

نصیحت نمبر۲۲ میں لکھتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اجداد کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے پیش نظر وہ دائمی طور پر لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کردیتا ہے ایک حاکم اور دوسرا محکوم۔ یعنی ابتداء "ایک بار جو برادری حاکم بن جائے تو اس کے لیے گویا پتھر پر لکھ دیا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے حاکم ہی بنا رہے گا۔ حالانکہ حکومت ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ اس سے پہلی والی نصیحت نمبر۲۱ میں بھی برنی نے اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ تمام باتوں کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اصل بات یہاں یہ ہے کہ برنی نے

جس اونچ نیچ اور شرافت و رذالت کا تصور پیش کیا' اس کی کامیاب مخالفت و مزاحمت ہمیں تاریخ میں نظر نہیں آتی ہے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برنی کے زمانے سے لے کر ۱۹۴۷ء تک مسلم سماج میں اشراف و اجلاف' شریف و کمین کا تصور پورے تسلسل سے پایا جاتا ہے۔ گرچہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی' مفتی اعظم کفایت اللہ اور مولانا سید سلیمان ندوی جیسے بزرگوں خصوصاً حضرت شیخ الاسلام کی کامیاب مخالفت کی وجہ سے تحریری طور پر اونچ نیچ کی سوچ کسی حد تک دب گئی۔ لیکن یہ بیماری اب تک پوری طرح ختم نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی برادری کی سطح پر اونچ نیچ کی سوچ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

وجہ کیا ہے؟

آزادی کے بعد یہ سوال رہ رہ کر اٹھتا رہا ہے کہ مسلم سماج میں سماجی اونچ نیچ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر قبول اسلام کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کو کیوں برابری اور عزت کا مقام نہیں مل سکتا ہے؟ خاص طور سے ریزرویشن کے حوالہ سے یہ سوال بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔ کچھ غیر مسلم صحافی اہل قلم (مثلاً کنول بھارتی اور خشونت سنگھ) اور پیشہ ور برادریوں سے تعلق رکھنے والے کچھ مسلم رہنما تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہاں تک اسلام میں سماجی اونچ نیچ کا سوال ہے تو اسلام میں اس کا سرے سے کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک مسلم سماج کا تعلق ہے تو اس میں اونچ نیچ کا تصور پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات تو مسلم اور ہندو سماج دونوں کو ایک ہی سطح پر رکھتے ہیں۔ کچھ دنوں قبل ہندوستان کی ایک تنظیم نے اسلام کے تصور مساوات کے حوالے سے ہندو سماج میں دعوت اسلامی کا کام کرنے کا اعلان کیا تھا اور ایک آدھ جگہ اس کے تحت پروگرام بھی کیا تو مشہور غیر مسلم ہندی صحافی جناب کنول بھارتی نے ۲۲ مارچ ۱۹۹۴ء کے نوبھارت ٹائمز دہلی اور پندرہ روزہ سرس سلل بابت اپریل ۱۹۹۴ء میں لکھا:

"ہندو ورن سسٹم کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا ہے۔ ہندستانی مسلمانوں میں ایک جاتی کا دوسری جاتی کے ساتھ روٹی کا تعلق تو ہے لیکن بیٹی کا نہیں۔" "بلاشبہ اسلام نے جات پات کی

حمایت نہیں کی ہے۔ خود حضرت محمدؐ نے کہا تھا کہ گورا کالے سے اور نہ کالا گورے سے اور عرب غیر عرب سے نہ اونچا اور نہ نیچا ہے۔ لیکن ہندستانی مسلم سماج کا سچ یہ ہے کہ وہ جاتی واد میں الجھا ہوا ہے۔ اس میں اونچ نیچ کی سوچ پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں چار جاتیاں اونچی سمجھی جاتی ہیں سید، شیخ، مغل اور پٹھان باقی کو ارزل اور اجلاف سمجھا جاتا ہے جو دست کار اور پیشہ ور برادریاں ہیں انہیں نیچ اور بدذات اور کمین کہا جاتا ہے۔"

اس کے ساتھ محترم کنول بھارتی نے بہوجن سماج پارٹی کے لیڈر اقبال احمد انصاری کی ایک تقریر کا یہ اقتباس بھی نقل کیا ہے:

"مسلم سماج میں بھی ایک ورن سسٹم موجود ہے۔ اس پر حملہ کیوں نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر ہندو سماج کے لیے برہمن واد نقصان دہ ہے تو مسلم سماج میں وہی حال سید واد کا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

جناب کنول بھارتی، خوشونت سنگھ اور دیگر غیر مسلم اہل قلم اور اقبال احمد انصاری جیسے لوگ جو کچھ کہتے لکھتے ہیں اس سے ہمیں کلی طور پر اتفاق نہیں۔ کیوں کہ برہمن واد اور سیدواد کو ایک سطح پر رکھنا اور ایک نظر سے دیکھنا قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ مسلم سماج میں چھوت چھات اور پسماندہ برادریوں سے نفرت کا وہ تصور قطعاً نہیں ہے تاہم ایک مخصوص سوچ کے تحت اونچ نیچ پائی جاتی ہے۔ دیگر سماجی شرعی معاملات و مسائل میں اس کا ظہور نہیں ہوپاتا ہے۔ لیکن قیادت خصوصاً شادی بیاہ کے معاملہ میں کفو میں غیر ضروری شدت کی شکل میں صاف طور پر دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جناب اقبال احمد انصاری جیسے حضرات کی انتہاپسندانہ بات کوئی خاص قابل توجہ نہیں۔ لیکن کنول بھارتی جیسے مخلص غیر مسلم بھائیوں میں مسلم سماج کی طرف سے یہ پیغام جانا کہ روٹی حد تک نہیں لیکن بیٹی کی حد تک اونچ نیچ کا تصور پایا جاتا ہے۔ بہت ہی توجہ طلب اور انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے جس کا بڑی حد تک تعلق اسلام کی اشاعت و ترویج سے ہے۔

غلط تعبیر

محترم جناب کنول بھارتی صاحب نے "بیٹی" کے حوالہ سے مسلم سماج کی جس

نابرابری اور اونچ نیچ کا حوالہ دیا ہے اس کا براہ راست تعلق بلاشبہ شادی بیاہ میں کفو کی غلط تعبیرو تشریح سے ہے۔ اس لیے ہم کفو کے حوالہ سے اشاعت اسلام کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کس حد تک اسلام کی راہ میں حارج ہے اور یہ کہ کفو کی واقعی اور شرعی حیثیت کیا ہے؟

کفو کے حوالے سے غیر مسلم سماج میں مسلم سماج کی طرف سے اونچ نیچ اور نابرابری کا پیغام جانا بلاشبہ اشاعت اسلام کی راہ میں حارج ہے اور جس انداز میں کفو کی غلط تعبیرو تشریح اور اس میں شدت برتی جاتی ہے' اس نے ان غیر مسلموں کے لیے جو اسلام کی طرف رجحان رکھتے ہیں' کشمکش کی صورت پیدا کردی ہے۔ ان کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ گرچہ اسلام اونچ نیچ کی مخالفت و مذمت کرتا ہے اور ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر استوار رشتہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا ہے۔ تاہم ہمیں رہنا تو مسلم سماج ہی میں ہے۔ بہت سے غیر مسلموں نے مساجد میں مسلمانوں کی شاندار برابری کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیا لیکن مسلم سماج میں آنے کے بعد انہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے یہ کہ آج کی بہ نسبت پہلے غیر مسلموں کے ذہن میں شادی بیاہ میں کفو کے تعلق سے کوئی سوال نہیں تھا۔ اس لیے اشاعت اسلام کے حوالہ سے کوئی پریشان کن بات نہیں تھی لیکن اب جب کہ ماضی قریب سے اور حال میں کچھ سوالات کھڑے ہو گئے ہیں تو ان پر سوچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

امور کفاءت

امور کفاءت میں زیادہ سے زیادہ نو اور کم سے کم پانچ امور میں سے اسلام برادری اور پیشہ سے مذکورہ سوال کا تعلق زیادہ ہے۔ خصوصاً" اسلام سے یعنی قدیم اور جدید کے حوالے سے۔ اس کے پیش نظران تینوں امور کا ذکرو جائزہ بعد میں لیں گے اور جن امور کفاءت کا اشاعت اسلام کے سلسلہ میں تعلق نسبتاً" کم اور بالواسطہ ہے ان کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔

امور کفاءت کی نسبتاً" کم زیادہ اہمیت کے پیش نظر آسانی کی خاطر اب ترتیب یہ ہوگی۔

۱۔ آزادی ۲۔مالداری ۳۔پیشہ ۴۔دیانت و تقویٰ ۵۔نسب ۶۔اسلام کچھ فقہاء نے ۱۔عقل ۲۔خاندانی وجاہت ۳۔عیوب سے پاک ہونے کو امور کفاءت میں شمار کیا ہے لیکن غور کیا جائے تو خاندانی وجاہت کو نسب کے ضمن میں رکھا جاسکتا ہے اور عقل کو عیوب سے پاک ہونے کے ذیل میں۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک کے نزدیک حقیقتاً امور کفاءت کا تعلق دین و تقویٰ اور عیوب سے پاک ہونے سے ہے۔ لیکن ضمناً" مالداری کا بھی کسی حد تک لحاظ کرتے لیکن یہ غیر مشہور قول ہے۔ احناف کے نزدیک مذکورہ چھ امور کا کفاءت میں شمار ہوتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں دیانت مال امور کفاءت میں شامل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک امور کفاءت چار ہوئے۔ امام احمد بن حنبل دیانت کو اسلام ہی میں شامل سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک امور کفات پانچ ہوئے۔

(تفصیلات الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد چہارم' بدایتہ المجتہد جلد دوم' البحرالرائق' فتح القدیر جلد سوم' بدائع الصنائع' ردالمختار' ہدایہ جلد دوم' المبسوط جلد پنجم' المغنی جلد ہفتم' نیل الاوطار جلد ششم' فتح الباری مع البخاری جلد نہم' عمدۃ القاری جلد ۲۰' اعلاء السنن جلد گیارہ' کتاب النکاح' الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۶ وغیرہ میں دیکھیں۔)

کفو کی حیثیت

جہاں تک قرآنی آیات اور صحیح روایات کا تعلق ہے' ان میں اثباتی طور پر امور کفاءت کے تعلق سے صرف ایمان و تقویٰ کا ذکر ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دین و ایمان اور تقویٰ کے سوا دیگر امور پر کوئی خاص زور نہیں دیا ہے۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفاءت کا تعلق درحقیقت لڑکا لڑکی کے نبھاؤ سے ہے۔ جواز نکاح کے لیے لازمی شرط سے نہیں۔ کفو کا معاملہ تمام تر عملی مصلحت سے تعلق رکھتا ہے کسی دینی اصول سے نہیں یہ بات آئندہ کی بحثوں سے پوری طرح واضح ہوجائے گی۔

آزادی میں کفاءت

سب سے پہلے ہم آزادی کو لیتے ہیں۔ عہد رسالت میں غلام یا آزاد کردہ غلام کے ساتھ آزاد عورت کا شادی کرنا ہونا ثابت ہے۔ مثلاً حضرت زینبؓ کا نکاح آپؐ نے حضرت زیدؓ سے فرما دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح جائز ہے اور منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کی ازدواجی زندگی کی جو تفصیلات کتب تفسیر و حدیث اور تاریخ میں ملتی ہیں ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں نبھاؤ نہیں ہو سکا اور دونوں میں علاحدگی ہو گئی۔ یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی کے معیار زندگی کا لحاظ کرنا چاہیے (جواز بالکل دوسری چیز ہے) اسی کے پیش نظر اکثر فقہاء کرام نے آزادی کو اسباب کفاءت میں شمار کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ حنبلی جلد ہفتم کتاب النکاح)

لیکن علامہ ابن نجیم رحمتہ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق آزادی اور غلامی کے سلسلہ میں کفاءت کا اعتبار صرف عجمیوں کے درمیان ہے۔ یہ عرب و عجم کی تفریق کیوں ہے؟ یہ گرچہ بحث طلب سوال ہے تاہم موجودہ دور میں اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ غلامی اب ایک قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ آئندہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن میں غلامی اور آزادی کا سوال پیدا ہو جائے تو بحث لڑکا لڑکی کے مابین نبھاؤ کے تعلق سے ہوگی۔ تحقیر و تقدیس یا شریف رذیل کے حوالے سے نہیں۔

۲۔ مال داری میں کفاءت

دوسری چیز مالداری ہے۔ اس کی حیثیت بھی شادی بیاہ میں کوئی بنیادی نہیں اور نہ ہی کوئی حد بندی ہے کہ لڑکے کا لڑکی کے برابر مالدار ہونا ضروری ہے۔ بلکہ جن حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے مالداری کا امور کفاءت میں شمار و اعتبار کیا ہے، ان کی تصریح کے مطابق لڑکے کے پاس بوقت نکاح اتنا مال ہونا کافی ہے جس سے وہ مہر کی ادائیگی اور خرچ چلانے پر قادر ہو جائے۔ چناں چہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں **و ھو ان یکون مالکا للمھر و النفقہ** (ہدایہ جلد دوم کتاب النکاح) قدرت کی تحدید بدائع

الصنائع کے مطابق یہ ہے کہ لڑکا مہر مثل ادا کرنے پر قادر ہو تو وہ مالدار لڑکی کا کفو ہو سکتا ہے۔ زیادہ کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا شوہر اگر بیوی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ لیکن مالی اعتبار سے بیوی کے ہم پایہ نہیں ہے تو تب بھی وہ لڑکی کا کفو شمار ہو گا۔ (بدائع الصنائع جلد دوم کتاب النکاح)۔ ابن قدامہ حنبلی قدرت کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ قابل اعتبار خوشحالی یہ ہے کہ جب بیوی کا کھانا خرچ واجب ہو تو شوہر ادا کرنے پر قادر ہو۔ (المغنی جلد ۷ کتاب النکاح)۔

اس معاملہ میں ہمارے فقہاء کرام نے یہاں تک توسع سے کام لیا ہے کہ لڑکے کے پاس بوقت نکاح بھی حسب ضرورت مال ہونا ضروری قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ حافظ ابن ہمام (فتح القدیر جلد سوم حاشیہ ہدایہ جلد دوم کتاب النکاح) اور علامہ جمال الدین زیلعی کی تصریح کے مطابق اگر لڑکے میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ کما کر مہر کی ادائیگی اور کھانا خرچ چلالے تو وہ اس کا کفو ہو گا۔ **الصحیح انہ اذا کان قادرا علی النفقہ علی طریق الکسب** امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ تو سرے سے مال میں کفاءت کا اعتبار ہی نہیں کرتے ہیں کیونکہ مال و دولت بذات خود قابل اعتبار چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک آنی جانی چیز ہے۔ (دیکھئے ہدایہ جلد دوم) امام ابو یوسف کے اس قول کے بارے میں صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں:

"جو لڑکا مہر و نفقہ پر قادر ہو وہ بہت زیادہ مالدار لڑکی کا کفو ہو سکتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ مال کسی ایک کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام ابو یوسف بھی کچھ کچھ لحاظ رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے امام اعظم و امام محمد اور امام ابو یوسف کی رائے میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں رہ جاتا ہے۔"

آج کے مادی دور میں میاں بیوی کی ازدواجی زندگی اور پیسہ کوڑی کو لے کر باہمی کشمکش کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شادی بیاہ میں لڑکا لڑکی کے معیار زندگی کا لحاظ و خیال رکھا جانا چاہیے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے السنن الکبریٰ کی ساتویں جلد میں باب اعتبار الکفاءۃ میں نقل کی ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو حضرت معاویہؓ نے نکاح کا پیغام دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کی معاشی پریشانی کا ذکر کیا اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کے لیے کہا۔

یہ روایت ان فقہاء و محدثین کا مستدل ہے جو مال میں کفاءت کا اعتبار و لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اس کی حیثیت بھی نہ بنیادی ہے اور نہ ہی جواز یا انعقاد نکاح کے لیے لازمی شرط کی۔ بلکہ یہ سراسر عملی مصالح پر مبنی ہے۔ فقر و غربت اسلام میں کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا محققین کی آراء اور مختصر تفصیل و توضیح کے بعد ابوبکر اسکاف کی یہ بات کوئی زیادہ قابل توجہ نہیں رہ جاتی ہے کہ مرد کے لیے صرف مہر و نفقہ پر قادر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ مرد معاشی طور پر عورت کے برابر ہو۔

(البحر الرائع جلد سوم 'کتاب النکاح)۔

(۳) پیشے میں کفاءت

تیسری چیز پیشہ ہے۔ اس کے بارے میں غیر ضروری شدت سے کام لیا جاتا ہے۔ خاص طور سے ہندستان (متحدہ) بالخصوص شمالی ہندستان میں۔ پیشے کی بنیاد پر اشراف و اجلاف کی باقاعدہ تقسیم عمل میں آچکی ہے۔ اس میں جہاں عوام اور زمیندارانہ نظام کا دخل ہے' وہیں کچھ مفتیان کرام کے فتاوے اور تحریروں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اس نے تصور مساوات اور اسلامی نظریہ کسب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ برصغیر' ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں مسلکی اعتبار سے اکثریت مقلدین امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی ہے اور امام اعظم کے صحیح قول کے مطابق کفاءت میں پیشہ اور صنعت و حرفت کا اعتبار نہیں۔ (المبسوط للسرخسی' جلد پنجم کتاب النکاح)

اس کی وجہ صاحب ہدایہ کے مطابق یہ ہے کہ پیشہ ہمیشہ کسی کے ساتھ چمٹا نہیں رہتا ہے۔ (ہدایہ جلد دوم کتاب النکاح) البتہ امام ابویوسف اور کچھ متاخرین صاحب افتاء نے پیشے کا کفو کے سلسلہ میں اعتبار کیا ہے اور خاص طور سے پارچہ باف (جسے حقارت سے جلاہا کہا جاتا ہے) حجام' دباغ' درزی کے پیشے کو نشانہ ذلت بنایا گیا ہے۔ چناں چہ متعدد فقہ کی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ پارچہ باف' حجام وغیرہ کپڑا اور ادویہ کے تا[illegible] کے کفو نہ ہوں گے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ شمس

الائمہ نے کہا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری' جلد اول' البحرالرائق جلد سوم کتاب النکاح) عطار کا کفو بھی پارچہ باف نہیں ہو سکتے۔ البتہ کچھ فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اگر پارچہ باف نکر اپنا پیشہ پارچہ بافی بدل کر تاجر بن جائے تو وہ تاجر کا کفو ہو سکتا ہے۔ (ردالمحتار' جلد دوم' البحرالرائق' جلد سوم' کتاب النکاح) لیکن ابن نجیم کا کہنا ہے کہ انسان کے لیے کسی پیشہ کو چھوڑنا ممکن ہے لیکن پیشہ کی وجہ سے اس کے ساتھ جو عار لگی ہوئی ہے وہ اس سے نجات نہیں پا سکتا اس لیے اسے دوسرے اعلیٰ پیشہ کے لوگوں کا کفو نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ شامی تھوڑا نرم کرکے کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو اپنا سابقہ پیشہ چھوڑے ہوئے اتنا عرصہ گزر جائے کہ وہ ذہن سے مٹ جائے اور لوگوں کے ذہن میں اس کی تحقیر باقی نہ رہے تو اب اس کے ساتھ پیشہ کی ذلت کا لحاظ نہیں کیا جانا چاہیے۔

پیشہ کو امور کفاءت میں شمار کرنے کی دلیل کیا ہے؟ اس سلسلہ میں عموماً" دو دلیلیں ایک شرعی اور ایک عرفی دی جاتی ہیں۔ شرعی دلیل وہ روایت ہے جو متعدد کتب حدیث' دار قطنی' مستدرک اور بیہقی کی السنن الکبریٰ کے کتاب النکاح میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ اس روایت میں عرب کے مختلف قبیلوں میں کفو کے ذکر کے ساتھ کہا گیا ہے کہ حائک (پارچہ باف) حجام اور دباغ کفو نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس روایت کی سندوں پر کفاءت فی النسب کی بحث میں قدرے تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یہاں ایک جملہ میں یہ کہوں گا کہ یہ انتہائی ضعیف اور بہت سے محدثین اور ناقدین رجال کے مطابق منقطع' مجہول' موضوع اور منکر ہے۔

رہی عرف کی بات تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت میں بہت سے مقامات و مواقع پر عرف کا لحاظ کیا گیا ہے لیکن واضح رہے کہ عرف سے مراد وہ عرف ہے جس کا تعلق شرعی مصالح درپیش مشکلات اور حل طلب درآمدہ مسائل و معاملات سے اور جو شریعت کی روح اور مزاج سے متصادم و منافی نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ شاطبی نے اپنی مشہور و معروف مایہ ناز کتاب "الموافقات" جلد اول میں تفصیل سے لکھا ہے۔ جب کہ کفو کے سلسلہ میں کمتر و ذلیل و ادنیٰ پیشوں میں عام طور پر جن کو شمار کیا جاتا ہے وہ شرعاً" بالکل جائز' حلال اور پاک کمائی میں شمار ہوتے ہیں۔ پارچہ بافی' دباغت'

درزی گری اور حجامی وغیرہ پیشوں کو ذلیل و رذیل سمجھنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ محض اس لیے کہ کچھ عجمی ملکوں خصوصاً جات پات اور اونچ نیچ پر مبنی نظام والے ہندوستانی سماج میں ان پیشوں کو ذلیل اور گھٹیا تصور کیا جاتا ہے۔ عرف کے حوالہ سے ملحوظ رکھنا اسلام کے پاکیزہ نظریہ کسب کے خلاف دست کاری سے دور کرنے کے ہم معنی اور لوگوں کو تنگی کے راستہ پر ڈالنے کی غلط کوشش ہے۔

اوپر جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے تمام طرق پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت اس وقت گڑھی گئی جب مسلمانوں میں اپنے نسب کو اعلیٰ اور دوسروں کو کمتر اور فروتر بتانے کی سوچ پروان چڑھ رہی تھی اور افسوسناک بات یہ ہے کہ تفاخر بالانساب کا سلسلہ ان لوگوں کی طرف سے شروع ہوا جنہیں اس نازیبا سلسلہ کو ختم کرکے اسلام کے آفاقی پیغام و تعلیم کو پھیلانا چاہیے تھا۔ لیکن چوں کہ مذکورہ قسم کی روایتوں سے کچھ قبیلے برادریوں کی انا کی تسکین ہوتی تھی اس لیے انہوں نے اس غلط کار ہاتھ کا پتہ لگانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی، جس نے ملت کی تحقیر و تفریق کا کام انجام دیا۔ یہ تو یہ ایک عام عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ پیغمبر کائنات، جو سب کے لیے رحمت و رافت اور معلم بن کر مبعوث ہوئے تھے، وہ کیونکر ایسی تعلیم دے سکتے ہیں جس سے آپ کی امت کے ایک حصہ کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہو۔ چاہے پارچہ بافی، لوہاری، بڑھئی گیری، خیاطی، دباغت، بال بنانا اور پچھنے لگوانا ہو سب کے سب فن اور جائز پیشے ہیں۔ انہیں کیونکر حقیر و ذلیل اور عار کا کام سمجھا جاسکتا ہے اور فن کی قدر و قیمت کا اندازہ آپ اس سے لگاسکتے ہیں کہ ایک صحابی ابوہند (جن کا اصل نام یسار تھا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنے لگاکر خون نکالا تو آپ نے ان کی مہارت فن کی بہت تعریف کی اور نہ صرف تعریف کی بلکہ عرب کا ایک انتہائی معزز قبیلہ بنو بیاضہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوہند کو لڑکی دو بھی اور اس کی لڑکی لو بھی۔ یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ابوداؤد کے علاوہ دیگر کتب میں مروی ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا ہی اچھا بھلا ہے پچھنا لگانے والا (جو بدن سے فاسد) خون نکال کر باہر کردیتا ہے جو ریڑھ کو ہلکا کرتا ہے اور نگاہ کی روشنی بڑھادیتا ہے۔ نعم العبد الحجام يذهب بالدم و يخف الصلب و يجلوا البصرا

(ابن ماجہ، باب الصناعات)۔

ایک اور روایت جو مسلم شریف جلد دوم باب فضائل زکریا میں آئی ہے۔ اس میں صاف طور سے کہا گیا ہے کہ سیدنا حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ (و کان زکریا نجاراً) سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ سازی کا ذکر قرآن مجید میں صراحتاً کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستکاروں اور پیشہ وروں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے بہتر روزی وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کی جائے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (بخاری شریف جلد اول باب کسب الرجل و عملہ بیدہ) اسی بخاری شریف جلد اول میں متعدد صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بنائی اور بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ پارچہ بافی وغیرہ کو کس بنیاد پر باعث عار اور نشانہ تذلیل و تحقیر بنایا گیا ہے۔ کون سے پیشے غلط اور باعث نفرت و تحقیر ہیں اور کون سے نہیں۔ شریعت میں ان کی پوری تفصیلات موجود ہیں اور پارچہ بافی دباغت وغیرہ بلاشبہ حلال اور پسندیدہ پیشوں میں سے ہیں۔ لہٰذا پارچہ بافی، دباغت اور درزی گیری وغیرہ اپنے ہاتھ کی حلال کمائی اور شرعاً پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا بے معنی عرف کا سہارا لے کر عجم (جہاں فقہاء کی تصریح کے مطابق کفو کا اعتبار نہیں) خصوصاً ہندستان جیسے ملک کے ناقابل التفات تہذیبی سماجی پس منظر میں مذکورہ پیشوں کو دیکھنا کوئی محتاط رویہ نہیں ہے۔ یہ شرعی تقاضوں کی تکمیل نہیں بلکہ ہندستان کے برہمی نظام کی شعوری غیرشعوری تقلید ہے۔ جیسا کہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔

"جائز پیشہ کی بناء پر کسی کو ذلیل سمجھنا اسلامی احکام اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں یہ مرض ہندستان میں ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے (کہ ان میں جات پات کی تقسیم اور پیشوں پر شرافت و رذالت کی بنیاد رکھی گئی ہے) پیدا ہوا ہے اور بدقسمتی سے اسی درجہ تک پہونچ گیا ہے جس درجہ پر ہندوؤں میں ہے اور اس نے اسلامی وحدت کو پاش پاش کردیا ہے۔ (کفایت المفتی، جلد اول، صفحہ نمبر۲۶۵) اس کے باوجود مولانا احمد

رضاخاں صاحب کا یہ لکھنا کس قدر اہانت آمیز اور افسوسناک ہے کہ جولاہے اور کمال پکانے والے اور موچی اور نائی ان کے مثل ذلیل پیشہ ور جو اپنے ذلیل پیشوں کے ساتھ معروف ہیں اگر عالم بھی ہو جائے جب بھی شرفاء کے کفو نہیں ہو سکتے۔"(دیکھئے فتاویٰ رضویہ' حصہ سوم' ۱۱۷' مطبوعہ آستانہ پریس' بریلی)

سوال یہ ہے کہ ذلت و رذالت کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ اسلامی شریعت یا کچھ برادریوں کے مفروضہ اور مزعومہ اختراعی خیالات۔ ظاہر ہے کہ اہل ایمان کے نزدیک متفق علیہ معیار اسلامی شریعت ہے اور شریعت نے پارچہ بافی وغیرہ کو ناجائز اور ذلیل و رذیل نہیں کہا ہے بلکہ جائز اور حلال قرار دیا ہے لہٰذا کپڑا بننے اور دباغت وغیرہ کو ذلیل پیشوں میں شمار کرنے کے ساتھ شادی بیاہ کے لیے کفو کے طور پر بنیادی حیثیت دینا قطعاً" غلط ہے۔

پیشہ ور دستکار برادریوں کے اہل علم کی جس انداز میں توہین کی گئی ہے اور مزعومہ شرفاء کا غیر کفو قرار دیا ہے۔ اس پر اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے چند محققین فقہائے احناف کے تبصرے و تحقیق نقل کر دینا کافی ہو گا۔ صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

"علم کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اہل علم ہیں کیا وہ غیر اہل علم کے برابر ہو سکتے ہیں۔" کان شرف العلم اقوی من شرف النسب بدلالتہ الایتہ ہل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون

(ردالمحتار جلد دوم' کتاب النکاح)۔

آگے مزید ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے فقہ حنفی کی ظاہری روایت کے خلاف علم و دین کے مقابلہ میں نسب کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"کہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے"۔ شرف العلم فوق شرف النسب

(فتح القدیر' جلد سوم' کتاب النکاح)۔

علامہ شامی بہت ہی لطیف طنز کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں لکھتے ہیں:

"اگر علم و حسب کا شرف خاندان و نسب سے بڑھ کر نہ ہو گا تو کیا امام ابو حنیفہ اور حسن بصری جیسے غیر عربی کسی جاہل قریشی یا اپنے پاؤں پر پیشاب کرنے والے عربی کے کفو نہیں ہو سکتے۔

(رد المختار، جلد دوم کتاب النکاح)

اور اب جب کہ پارچہ بانی، دباغت اور درزی گیری وغیرہ سائنسی اور صنعتی ترقی کی وجہ سے بذات خود ایک صنعت اور اعلیٰ کاروباری شکل اختیار کر چکی ہے اور بڑے بڑے اونچے معزز خاندان کے افراد بھی اپنا چکے ہیں اور اپنا رہے ہیں۔ ان پیشوں کو ذلیل پیشوں میں شمار کرنا قطعاً" غیر ذمہ دارانہ اور ملک و قوم دونوں کے حق میں مضر اور دوررس نتائج کا حامل ہے اور ساتھ ہی بے معنی بھی۔۔۔۔۔ البتہ کسی جائز پیشے میں وقتی طور پر کوئی عارضی، اخلاقی خرابی پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کی ہدایت و نصیحت بالکل امر دیگر ہے۔ لیکن نفس صنعت و پیشہ ہی کو ذلیل و رذیل قرار دے کر شادی بیاہ کے معاملہ میں مسئلہ کفو کے تعلق سے بنیادی حیثیت دینا کوئی راست رویہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی انتہاپسندانہ فتوے اور فیصلوں نے غیر مسلموں خصوصاً" پڑھے لکھے غیر مسلموں میں اس سوچ کو بڑھاوا دیا ہے کہ جب اپنے ہم مذہب کچھ پیشہ ور دست کار برادریوں کو اپنے آپ کو اشراف میں شمار کرنے والے ذلیل و رذیل تصور کرتے ہیں تو نئے نئے دائرۂ اسلام میں آنے والوں کے ساتھ احمد رضا خاں کی طرح سوچ رکھنے والوں کا کیا رویہ ہو گا۔ ظاہر ہے یہ بات اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

یہ مسئلے کا حل نہیں ہے

یہاں ایک بات ہم صاف کرتے چلیں کہ مولانا احمد رضا خاں اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ میں علم غیب، نور و بشر وغیرہ مسائل میں چاہے کتنے ہی اختلافات ہوں لیکن جات برادری اور اونچ نیچ کے معاملہ میں دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ دونوں زمین دارانہ نظام کی پیداوار تھے۔ اس لیے مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ جلد دوم کتاب النکاح اور بہشتی زیور حصہ چہارم میں کچھ کمزور باتیں لکھ دی ہیں۔۔۔۔امداد الفتاوی جلد دوم میں انصار، روغن گر وغیرہ برادریوں کو ذلیل برادریوں میں شمار کیا ہے اور شیخ وغیرہ برادریوں کے لیے فخر بالانساب کو جائز قرار دیا ہے۔ (البتہ انہوں نے اپنی سب سے آخری کتاب البوادر

النوادر میں کچھ نرمی برتی ہے) لیکن مسلک دیوبند کی خوبی یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی غلط یا کمزور بات لکھ دی تو دوسرے نے اختلاف کرتے ہوئے صحیح اور مضبوط بات کہنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ، سید الملت مولانا سید سلیمان ندوی اور ابوالمحاسن مولانا سجاد بہاری کے اسمائے گرامی لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن بریلوی مکتب فکر میں ہمیں یہ روایت یا تو ملتی نہیں ہے یا بہت کمزور نظر آتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل بریلوی مکتب فکر کے مولانا ارشد القادری صاحب نے علمائے دیوبند کے روحانی نظریات پر زلزلہ نام کی ۳۰۴ صفحے کی ایک کتاب لکھی جس کا جواب ایک دیوبندی عالم مولانا نجم الدین احیائی مرحوم نے زلزلہ در زلزلہ کی صورت میں دیا تھا مولانا احیائی نے مسئلے کفو پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے مولانا احمد رضاخان کا ذہنی تجزیہ کیا تھا اور فتاوی رضویہ کے اسی ایڈیشن سے جس کا راقم نے حوالہ دیا ہے مذکورہ فتویٰ نقل کیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے پیشہ ور خصوصاً انصاری برادری کی توہین ہوتی ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ کہا جاتا کہ متعلقہ فتوی مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت کی شان سے بہت ہی فرو تر ہے۔ یہ فتویٰ نہیں بلکہ کچھ برادریوں کو ذلیل کرنے کی غیر سنجیدہ حرکت ہے ان کی ایک بات غلط ہونے سے اسلام کا کوئی ستون نہیں گر پڑے گا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ جب مولانا ارشد القادری صاحب نے زلزلہ در زلزلہ کا جب جواب زیر و زبر لکھا تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ آپ کے مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مفتی شفیع صاحب نے بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ (دیکھئے کتاب مذکور صفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۲ مکتبہ جام نور جمشید پور) اور اپنی تائید میں فتاوی قاضی خاں اور فتاوی عالمگیری کا حوالہ دیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ فتاوی رضویہ میں جو شدت ہے وہ ان کتابوں میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلے کا حل نہیں بلکہ بات کو بڑھانے والا ہے۔ دو آدمی اگر غلط بات لکھے یا کہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ایک کی بات صحیح ہے غلط بات تو غلط ہے چاہے وہ کوئی کہے۔ ایک آدمی کہے یا دو چار۔ غلط صحیح نہیں بن سکتا ہے آئینہ دکھانے کی ضرورت نہیں بلکہ چہرے کے خراشوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے مردے اکھاڑنے کی نہیں بلکہ سماجی مردے جو انسانی سمندر کی سطح پر تیر رہے ہیں ان کو ٹھکانے لگانے کا انتظام ہونا چاہئے۔ اس

کے بغیر اونچ نیچ اور تحقیر و تقدیس کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے۔

دیانت و تقویٰ میں کفاءت

کفو کے سلسلے میں چوتھی چیز دیانت و تقویٰ ہے۔ اس معاملے میں تمام ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے کہ شادی بیاہ کے معاملے میں لڑکے کی دیندار اری اور تقوے کا لحاظ کیا جائے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک صوم و صلوۃ، عابدہ زاہدہ اور دیندار لڑکی کو کسی فاسق فاجر لڑکے کے پلے باندھ دیا جائے۔ یہ جہاں لڑکی کے ساتھ ظلم ہے وہیں دینی اور شرعی تقاضے کے منافی بھی ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں بعض ایسے سلف صالحین کا قول نقل کیا ہے جو کفو کے سلسلے میں صرف دین و اخلاق کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی کے نزدیک قابل اعتبار امر (عیوب سے پاک ہونے کے علاوہ) صرف دین و اخلاق ہے۔ دیگر ائمہ نے دین و اخلاق کے علاوہ دیگر امور کا بھی لحاظ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین و اخلاق کا شادی بیاہ میں خیال رکھنا چاہئے یہ احادیث نبویہ سے صراحتاً ثابت ہے اور صرف اسی کا شادی بیاہ کے سلسلے میں لحاظ و اعتبار کرنے کا اثباتی طور پر ثبوت ملتا ہے چنانچہ سند صحیح سے متعدد کتب حدیث میں روایت آئی ہے کہ جب ایسے کسی آدمی کا پیغام نکاح آئے جس کی دینی اخلاقی حالت سے تم راضی (مطمئن) ہو تو اس سے لڑکی کی شادی کردو ورنہ زمین (سماج) میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ **اذا خطب الیکم من ترضون دینہ و خلقہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ و فساد عریض** (ترمذی شریف کتاب النکاح جلد اول)

ایک دوسری روایت جو بخاری مسلم کے علاوہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے اس میں کہا گیا ہے کہ نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے مال، حسب، حسن و جمال، اور دینداری کی وجہ سے۔ تم دیندار کا انتخاب کر کے کامراں ہو یعنی دین کو ترجیح دو **تنکح المراۃ لاربع لمالھا و لحسبھا و لجمالھا و لدینھا فاظفر بذات الدین** ایک دوسری صحیح روایت ابن ماجہ کتاب النکاح میں یہ ہے کہ تم میں سے ہر آدمی کو چاہئے کہ ایماندار بیوی کو اپنائے کیونکہ وہ امور آخرت میں معاون و مددگار

ثابت ہوتی ہے (لتتخذ احدکم زوجتہ مومنتہ تعین احدکم الی امر الاخرۃ)

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ اصل اہمیت صرف نیکوکاری اور دین و تقویٰ کی ہے۔ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں' ان کی حقیقی عظمت و عزت نہیں ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح عورت اور اس کے اولیاء کو صاحب کردار و دین دار مرد کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اس طرح مرد کو یہ چاہیے کہ مال و حسن کی بہ نسبت عورت کی دینداری اور پرہیزگاری کو زیادہ اہمیت دے۔ اس کی حکمت ایک دوسری روایت جو ابن ماجہ کتاب النکاح میں ہے یہ ہے کہ عورتوں سے نکاح ان کے حسن و جمال کی وجہ سے کرنے سے ہو سکتا ہے کہ ان کا حسن ان کو کسی برائی کی راہ پر ڈال دے اور مال داری ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو سرکش اور غرور میں جتلا کر دے۔ اس لیے دین و اخلاق کی بنیاد پر شادی کرو۔ ایک دیندار کالی کلوٹی لونڈی بے دین خوبصورت عورت سے اور مال دار لڑکی سے افضل ہے۔

ان مذکورہ بالا روایتوں کے پیش نظر نکاح میں دین و اخلاق کا لحاظ کرنے پر پوری امت کا اجماع ہے۔ (دیکھئے بدایتہ المجتھد) البتہ کچھ فقہی کتب میں حضرت امام محمد کا اختلاف نقل کیا گیا ہے کہ نکاح (جیسے دنیاوی معاملات) میں کفاءت دین کا اعتبار نہیں ہے۔ لیکن صریح صحیح روایتوں اور اجماع امت کے مقابلے ایک قول کا اعتبار نہیں ہے۔ (ا) دوسرے یہ کہ امام محمد جیسے وسیع المطالعہ اور وسیع النظر فقیہ محدث سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحب ہدایتہ نے (ہدایتہ جلد دوم کتاب النکاح) امام محمد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مرد کا کھلا فسق ایک صالحہ دین دار عورت کے کفو ہونے میں مانع ہے۔ اس لیے یہ کہنا چاہیے کہ نکاح کے سلسلہ میں دین و اخلاق کا قابل لحاظ و اعتبار امر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اس تعلق سے عیوب سے پاک ہونا (جیسے جنون' برص اور کوڑھ وغیرہ) سب کا امور کفاءت میں شمار ہوتا ہے۔ شوافع' حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر شادی کے بہت بعد جنون وغیرہ کی بیماری ہو جائے تو عورت کو مطالبہ تفریق کرنے کا حق ہے۔ امام اعظم کے نزدیک نامردی وغیرہ کے سوا کسی اور بیماری کی وجہ سے عورت کو تفریق کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن امام محمد رحمتہ اللہ علیہ

اس معاملہ میں مذکورہ تینوں مسالک متبوعہ کے ساتھ ہیں اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے۔ عقل میں کفاءت کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اگرچہ متقدمین فقہاء کے یہاں کفاءت فی العقل کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ تاہم متاخرین کے یہاں اس پر بحثیں ملتی ہیں۔ کچھ نے اعتبار کیا ہے اور کچھ نہیں۔ تاہم عورت کی شرافت و عزت اور اس کے احترام کا تقاضا ہے کہ اس کا رشتہ کسی انتہائی پاگل وغیرہ سے نہ کیا جائے۔ یہ ضمنی بات تھی جس کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا تاکہ کفو کے سلسلہ میں سارے پہلو سامنے رہیں۔

(۵) نسب میں کفاءت

پانچویں چیز جس کے سلسلہ میں خاصا چرچا رہتا ہے، وہ نسب میں کفاءت کا مسئلہ ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں غیر ضروری شدت کی وجہ سے غیر مسلموں میں یہ پیغام جاتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی زبردست اونچ نیچ ہے۔ جسے کنول بھارتی جیسے اہل علم بیٹی کا رشتہ نہ ہونے سے تعبیر کرتے ہیں اور مسلم سماج میں کفاءت فی النسب میں یعنی برادری واد اور جات پات کی شکل اختیار کرلی ہے۔ خصوصاً شمالی ہندستان میں۔ یہ صورت حال جہاں قبول اسلام کی راہ میں دیوار ثابت ہوئی اور ہوتی رہتی ہے وہیں مسلمانوں کے تعلق سے تقدیس و تحقیر کے رجحان کو بڑھاوا ملتا ہے۔ اس لیے اس پر قدر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے۔

شادی بیاہ میں کفاءت فی النسب ائمہ اور محدثین کا کوئی متفق علیہ مسلک نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ میں حضرت امام مالک، حنفیہ میں ابوالحسن کرخی، ابوبکر جصاص رازی اور ظاہریہ میں علامہ ابن حزم اور ایک دوسرے اہم بزرگ حضرت سفیان ثوری نسب میں کفایت کے قائل نہیں (فتح القدیر، جلد سوم، رد المحتار، جلد دوم اور المحلی جلد ۱۰ کتاب النکاح)

ائمہ ثلاثہ حضرات امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے نسب کو قابل لحاظ و اعتبار قرار دیا ہے۔ گرچہ امام شافعی کا ایک قول ناقابل اعتبار کا بھی ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی مختلف و متضاد اقوال ہیں۔ ایک قول عدم کفاءت کا

ہے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تمام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں اور تمام عجم ایک دوسرے کے کفو میں ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ حنبلی' جلد ۷ کتاب النکاح) تاہم اگر تینوں ائمہ کے نسب میں کفاءت کے اعتبار کے قول ہی کو لیا جائے تو اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے کفاءت فی النسب کا لحاظ کرنے کی بات کہی تھی اس وقت کے حالات کچھ ایسے ہوں جن میں کفایت فی النسب قابل لحاظ امر ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں غیرضروری شدت سے بہت سے سماجی' معاشرتی مسائل و مشکلات پیدا ہو رہے ہیں اور اس کے ذریعہ سے غیرمسلموں میں غلط پیغام جارہا ہے۔ اس لیے کفاءت فی النسب کی اعتباریت کے سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچا جانا چاہئے۔ اگرچہ سوچنے اور افہام و تفہیم کا بہت دنوں سے سلسلہ جاری ہے اور بہت سے اہل فتوئی اور صاحب علم و دانش نے امام مالک کے مسلک کو اہمیت و ترجیح دی ہے۔ ایسے بزرگوں اور علماء میں حضرات مفتی کفایت اللہ صاحب' سید سلیمان ندوی رحمتہ علیہما' مفتی یاسین صاحب مرحوم' صاحب فتاوئی احیائے علوم کے اسمائے گرامی خاص طور سے لیے جاسکتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب راقم الحروف نے دہلی سے نکلنے والے روزنامہ قومی آواز میں برادری کے حوالہ سے کفو میں غیرضروری شدت پر بحث و گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تو بیشتر اہل علم نے اس کی تائید کی۔

قدیم عربی فارسی اور فقہی کتابوں میں نسب برادری کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب کا تذکرہ کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ البتہ ماضی قریب میں مولانا احمد رضا خاں اور حضرت مولانا تھانوی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے شادی میں کفو کے سلسلہ میں برادری کو بڑی اہمیت دی ہے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کفایت المفتی جلد ۵ کی کتاب النکاح میں متعدد مقامات پر دلائل سے رد کردیا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے ماہنامہ معارف بابت جون ۱۹۲۸ء کے ایک تفصیلی مضمون میں نسب میں کفو کے تصور کو بنیادی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا۔ نسب میں کفو سے متعلق تحریروں اور فتاوے کا جائزہ لینے سے بااعتبار دلائل حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا ندوی کا موقف مضبوط و مستحکم نظر آتا ہے۔ قرآن مجید کی عمومی آیات اور صحیح روایات سے برادری میں کفو کی تائید و توثیق

نہیں ہوتی ہے۔ کچھ حد درجہ ضعیف روایتوں کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنی اپنی برادری میں شادی بیاہ کرنے سے نسبتاً" غیربرادری میں شادی کرنے سے نباہ اچھی طرح ہوجاتا ہے لیکن اسے جواز نکاح کے لیے لازمی شرط کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے تو باطل قرار دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شادی بیاہ میں کفو ہری سبزی کھانے اور سفید کپڑا پہننے کی طرح ہے جس طرح ہری سبزی کھانا اور سفید کپڑا پہننا اچھی بات ہے لیکن زندگی کا لازمی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح برادری میں کفو جواز اور انعقاد نکاح کے لیے شرط کے درجہ میں لازمی نہیں ہے۔

وضاحت

ہمارے کہنے کا مطلب یہ قطعاً" نہیں ہے کہ غیربرادری میں لازماً" شادی کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر اسلام کے معاشرتی تقاضے پورے ہی نہیں ہوسکتے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ غیربرادری میں شادی کرنے میں شرعاً" کوئی امر مانع نہیں۔ کفو کے حوالہ سے غیربرادری میں شادی کا تعلق مخصوص حالات اور ناگزیر صورت حال سے ہے۔ ورنہ عام حالات میں علوی' فاطمی' صدیقی' فاروقی' عثمانی' انصاری' پٹھان وغیرہ سب کے سب اپنی برادری میں ہی بیاہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ بری بات تو یہ ہے کہ بالغ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ گھرانا' معیار زندگی' تعلیم سب میں یکسانیت ہونے کے باوجود غیربرادری میں کفو کا بہانہ کرکے اور نیچ کمتر سمجھ کر رشتہ ناطہ قائم نہیں کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں دونوں تاحیات ناآسودہ' بے سمتی اور بے کیف زندگی گزار دیتے ہیں یا غیرمطلوبہ لڑکا لڑکی سے شادی ہوجانے سے دلی طور پر ہم آہنگی نہیں ہوپاتی ہے۔ اس سے مزید مختلف طرح کے گھریلو اور سماجی مشکلات و مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک انصاری لڑکا فاطمی صدیقی عثمانی فاروقی لڑکی کے معیار' تعلیم' رکھ رکھاؤ سب میں پورا اترتا ہے اور لڑکی بھی چاہتی ہے۔ اس کے باوجود اپنی برادری کے ہی لڑکے سے جو نسبتاً" کم تعلیم یافتہ' معیار' مال و دولت' رکھ رکھاؤ اور رہن سہن کے لحاظ سے فروتر ہوتا ہے' شادی کردی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ

یہ سب برادرانہ کبر و نخوت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اس میں تقدیس و تحقیر کی سوچ شامل ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں آج کل یہ ہو رہا ہے یا تو لڑکیاں اپنے سرپرستوں' رشتے داروں کی اجازت کے بغیر شادی کرلیتی ہیں یا کورٹ میرج کرتی ہیں اور کبھی کبھار معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ غیر مسلموں سے شادی کرلیتی ہیں یا فرار ہو جاتی ہیں۔ ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ خود والدین ر سرپرست رشتے دار اچھی لڑکی کا اچھے لڑکے سے چاہے وہ کسی برادری کا ہو رشتہ قائم کردیں۔ اگر ایسا ہوگا تو سماج میں میل ملاپ' خوشگوار تعلقات میں اضافہ ہوگا اور غیر مسلموں میں یہ پیغام بھی جائے گا کہ مسلم سماج میں کسی طرح کی بے معنی اونچ نیچ کا نظام نہیں ہے بلکہ وہاں خوبیوں کی اہمیت ہے۔ یہ پیغام غیر مسلموں میں جانے سے اشاعت اسلام کی راہ کی رکاوٹیں بھی دور ہونگی اور اسلام کی طرف میلان بھی پیدا ہوگا۔ یہ کوئی کم بڑا فائدہ نہیں۔

کفاءت فی النسب کے دلائل پر ایک نظر

جو حضرات کفاءت فی النسب میں شدت سے حامی اور قائل ہیں وہ برادری' نسب میں کفو پر کچھ روایتیں پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ برادری میں کفاءت کے سلسلہ کی ایک روایت بھی سند صحیح سے ثابت نہیں۔ سب کی سب انتہائی ضعیف' منقطع' مجہول اور منکر و موضوع ہیں اور جو ایک دو روایتیں صحیح ہیں ان کا برادری میں کفاءت سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے۔ جو روایتیں اور دلائل ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عورتوں کا نکاح ان کے ولی ہی کریں اور کفو ہی میں ان کی شادی کریں اور ان کا مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

(۲) قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک عرب دوسرے عرب کے لیے اور اہل عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے لیے اور بعض عجمی بعض عجمی کے کفو ہیں۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کے لیے (مستدرک کی روایت میں یہ اضافہ ہے) کہ سوائے پارچہ بافوں اور حجاموں کے۔

(۳) کفو میں نکاح کرو اور اپنے نطفوں کو ان ہی میں رکھو۔

(۴) میں حسب و نسب والی عورت کو صرف ان کے ہمسروں میں شادی کرنے کا حکم

دوں گا اور اس کے خلاف سے روکوں گا۔

(۵) جنگ بدر میں آپؐ نے کفار کے مقابلہ پر انصاری کے بجائے قریشی حضرات حمزہؓ اور علیؓ وغیرہ کو بھیجا تھا۔ جب جنگ میں کفاءت کا اعتبار ہو سکتا ہے تو نکاح جیسے رشتے میں کیوں نہیں جس میں لڑکی اپنے آپ کو فروخت کردیتی ہے۔

(۶) برادری میں اعتبار کفاءت مصالح نکاح میں سے ہے۔ اپنے سے کم درجے کے مرد کا عورت فراش بننا پسند نہیں کرتی۔ لہٰذا کفو کا اعتبار ہونا چاہیے۔

(۷) مذکورہ بالا روایتیں اور دلائل فقہ کی مختلف کتابوں میں نقل کی گئیں ہیں۔ نمبر ایک سے تین تک تمام روایتیں ضعیف موضوع منکر اور مجہول ہیں۔ لہٰذا باب احکام میں (وہ بھی صحیح روایتوں کی موجودگی میں) پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ نمبر۵ کا واقعہ صحیح تو ہے لیکن اس سے شادی میں برادری کے حوالہ سے استدلال کرنا محل نظر اور قیاس مع الفارق ہے۔ اگر اس روایت کو مدار استدلال بنایا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ مومن اور کافر ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس واقعہ میں برابر کی ٹکر کے لیے لغتاً" کفو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا رشتہ نکاح کے قیام سے کیا تعلق ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سمیت حافظ ابن حمام اور جمال الدین زیلعی حنفی جیسے محققین و محدثین علماء نے واقعہ بدر سے کفو پر استدلال کو بے جوڑ بتایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ سرخسی نے المبسوط کی پانچویں جلد میں بدر کے واقعہ سے جو استدلال کیا ہے وہ انتہائی کمزور ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے بجائے کفار مکہ کی طرف سے عتبہ وغیرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرات حمزہؓ و علیؓ وغیرہ کو اس لیے بھیجا تھا کہ یہ جتلادیا جائے کہ تمہارے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود دین کے معاملہ میں تمہاری رعایت نہیں کریں گے۔ رہی نمبر۶ مصالح نکاح کی بات تو یہ اس وقت تک ہے جب کہ وہ اپنی حد میں رہے اور دیگر نسبتاً" اہم دینی شرعی مصالح پر زد نہ پڑے اور یہاں اس میں شدت کی وجہ سے برادری واد کو بڑھاوا ملتا ہے۔ جس سے اسلام کا تصور مساوات متاثر ہوتا ہے۔ نمبر۴ کی حضرت عمرؓ والی روایت کو گرچہ کچھ محدثین نے ثبوت طلب بتایا ہے (دیکھئے مصنف عبدالرزاق جلد ششم کتاب النکاح) تاہم اکثر کے نزدیک صحیح

ہے۔ لیکن اس سے برادری میں کفاءت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو برادری میں لازماً کفو پر دال ہو۔ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں **لامنعن فروج و فی روایتہ اخری تزوج ذوات الاحساب الا من الاکفاء قال قلت ما الاکفاء قال فی الاحساب۔**

(دار قطنی، کتاب النکاح، مصنف عبدالرزاق جلد ۶، کتاب الاثار از امام محمد، نیل الاوطار جلد ۶ وغیرہ)۔ اس روایت میں احساب حسب کی جمع ہے۔ اس کا ترجمہ برادری نسب میں کفو کے حامی حضرات نسب حسب سے کرتے ہیں۔ لیکن صحیح روایتوں اور عربی زبان کے پیش نظر یہ ترجمہ محل نظر ہے۔ ایک صحیح روایت جس کی تخریج ترمذی، ابن ماجہ، دار قطنی صفحہ ۳۰۲، مستدرک جلد دوم، صفحہ نمبر ۱۶۳، سنن الکبریٰ جلد ۷ صفحہ نمبر ۱۳۶ الجامع الصغیر جلد اول میں کی ہے۔ اس میں آپؐ نے حسب مال اوو شرافت تقویٰ کا نام ہے۔ **الحسب المال الکرام التقوی** اس روایت کے پیش نظر حضرت عمرؓ کے قول کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ میں کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکیوں کو اجازت نہیں دوں گا مگر اپنی برادری میں نکاح۔ آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ حسب کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا مالداری۔ حضرت عمرؓ نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ کھاتے پیتے مالدار گھرانے کی لڑکیاں خواتین معاشی طور پر پسماندہ گھرانے میں نہیں رہ پاتی ہیں کیونکہ وہ اپنے میکے میں جس معیاری انداز اور فارغ البالی سے رہنے کی عادی ہو جاتی ہیں غریب گھرانے میں اس کا برقرار رکھ پانا مشکل ہوتا ہے جب کہ خوشگوار اور پائیدار ازدواجی زندگی کے لیے میاں بیوی کے مابین معیار اور رہن سہن میں یکسانیت بڑی حد تک ضروری ہے۔ تاہم اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امیر لڑکی کی شادی غریب لڑکی سے منعقد ہی نہ ہو یا جواز نکاح کے لیے لازمی شرط ہو۔

حضرت عمرؓ کے قول سے برادری نسب میں کفو پر استدلال کرنا کوئی محتاط رویہ نہیں ہے۔ کیونکہ نسب برادری اور چیز ہے اور حسب اور معیار زندگی کا لحاظ امر دیگر۔

اس کے ساتھ ایک دوسری روایت حضرت عمرؓ ہی سے یہ ہے کہ میں اپنا یا کسی اور شخص کا نکاح کرتے وقت عورت کے حسب نسب کی جانچ میں نہیں پڑتا۔

مذکورہ بالا روایت اور اس روایت میں الامام شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ کفاءت عورت اور اس کے خاندان کا حق ہے۔ جسے اگر وہ ازخود کسی دینی مصلحت کے پیش نظر ترک کردیں تو ان کی خوبی ہے۔ (دیکھئے فقہ عمرؓ از امام شاہ ولی اللہ، ترجمہ ابویحیی امام، صفحہ ۱۸۹، کتاب النکاح، مطبوعہ اول ۱۹۹۰ء)۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کا عمل بھی عدم کفاءت پر تھا (دیکھئے فقہ ابوبکر صدیقؓ)

اب ذرہ نمبر ایک سے نمبر تین تک کی روایتوں کی اسنادی حیثیت پر تھوڑی بحث ہو جائے۔ گرچہ اشارتاً ماقبل میں روایتوں کی حیثیت بتائی جاچکی ہے۔ تاہم قدرے تفصیل افادیت سے خالی نہیں ہوگی۔

نمبر ایک والی روایت مبشر بن عبید کے حوالہ سے مروی ہے۔ اس سے بیان کیا حجاج بن ارطاط نے اور انہوں نے عمر بن دینار سے وہ حضرت جابر بن عبداللہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام دار قطنی نے روایت کے راوی مبشر بن عبید کو متروک الحدیث قرار دیا ہے اور کہا کہ اس کی روایت میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ **مبشر بن عبید متروک الحدیث احادیثہ لایتابعہ علیھا** امام بیہقی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مبشر بن عبید کی حدیثیں موضوع اور جھوٹی (منگھڑت) ہیں۔ **احادیث مبشر بن عبید موضوعۃ کذب** (السنن الکبریٰ، جلد ۷، کتاب النکاح، معرفتہ السنن والاثار، جلد دوم، کتاب النکاح)

ان مذکورہ ریمارک کی پرزور تائید و حمایت مشہور حنفی محقق محدث امام جمال الدین زیلعی (نصب الرایہ جلد دوم صفحہ ۱۷) اور حافظ ابن ہمام (فتح القدیر، جلد سوم، صفحہ ۱۸۵-۱۸۶) نے کی ہے۔ مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی (الدرایہ صفحہ ۲۲۲) بھی ان کے ساتھ ہیں۔

نمبر دو والی روایت امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرک جلد دوم کتاب النکاح میں نقل کیا ہے۔ امام حاکم نے اصم سے انہوں نے صنعانی سے اور صنعانی نے شجاع بن ولید سے وہ کہتے ہیں کہ بھائیوں نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے ابن جریج سے، ابن جریج نے عبداللہ بن ملیکہ سے وہ حضرت عکرمہ بن عمر سے وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے۔ اس روایت میں کپڑا بننے والے (پارچہ باف' حائک) اور حجام کا نام لے کر خاص طور سے غیر کفو قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صاحب تنقیح کی تحقیق کے مطابق مجہول ہے کیونکہ شجاع بن ولید نے اپنے بعض اصحاب کا نام نہیں بتایا۔ دوسری سند سے امام بیہقی نے اس طرح نقل کیا ہے۔ روایت کیا اس کو ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں۔ بقیہ بن ولید اور زرعہ بن عبداللہ زبیدی کی سند سے انہوں نے عمران بن الفضل الایلی سے انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔"

یہ روایت مشہور محدث و محقق حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق کے مطابق منکر و منگھڑت ہے۔ **ھذا منکر و موضوع** التمہید بحوالہ نیل الاوطار جلد ۶' صفحہ ۱۳۷' علامہ شوکانی۔ نصب الرایہ' جلد دوم' صفحہ ۱۷ از زیلعی۔ فتح القدیر جلد ۳' صفحہ ۱۸۵' از حافظ ابن ہمام۔ الدرایہ صفحہ ۲۲۳' از حافظ ابن حجر عسقلانی

مذکورہ محققین و محدثین نے التمہید سے حافظ ابن عبدالبر کا ریمارک نقل کرنے کے ساتھ اس کی تائید و توثیق بھی کی ہے۔ مزید محدث ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب (کتاب العلل صفحہ ۳۱۲ جلد ۲) میں اس روایت کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور بے بنیاد ہے۔

ھذا کذب لا اصل لہ دوسری جگہ باطل قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار' جلد ۶' صفحہ ۱۳۷ مطبوعہ مصر ۱۹۶۱ء) روایت کے راوی عمران کے بارے میں امام ابن حبان نے (کتاب المجروحین' جلد دوم' صفحہ ۱۲۴۔ نیل الاوطار' جلد ۶' صفحہ ۱۳۷) کہا ہے کہ وہ ثقہ راویوں کے حوالے سے روایتیں گھڑتا ہے۔ اس کی روایتیں لکھنا جائز نہیں ہے' البتہ اظہار تعجب و حیرت کے لیے لکھی جا سکتی ہے۔ مشہور ناقد رجال محدث یحیی ابن معین کہتے ہیں عمران کچھ بھی نہیں ہے۔ **لیس بشی** (دیکھئے معرفۃ السنن و الاثار' جلد دوم' صفحہ ۱۳۵' از امام بیہقی۔ التلخیص الحبیر' صفحہ ۳۹۹ از حافظ ابن حجر۔ کتاب المجروحین' از امام ابن حبان' جلد دوم صفحہ ۱۲۴)

کچھ ناقدین و محققین نے عمران کے بجائے زبیدی کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔

(دیکھئے العلل المتناھیہ صفحہ ۱۲۵، جلد ۲)۔ چاہے عمران متہم ہو یا زبیدی روایت کی کمزوری اور مجروحیت ختم نہیں ہوتی ہے۔

نمبر تین والی روایت کو دار قطنی نے کتاب النکاح دار قطنی صفحہ ۲۹۹ جلد ۳ کتاب المجروحین میں صفحہ ۲۲۵، جلد دوم، امام حاکم مستدرک امام حاکم صفحہ ۱۶۳ جلد ۲ اور امام ابن ماجہ نے کتاب النکاح میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کے راوی حارث بن عمران کو امام دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے گرچہ ابو نعیم (تاریخ اصفہان، جلد اول، صفحہ ۳۱۴) نے حارث کا متابع ہشام بن زیاد مولیٰ عثمان کا ذکر کیا ہے لیکن ابن حجر نے (تقریب التہذیب، صفحہ ۵۳۲) متروک قرار دیا ہے (حاشیہ العلل المتناھیہ صفحہ ۱۲۵ جلد ۲) محمد بن مروان کی ایک روایت میں ہے کہ کفو میں شادی کرو۔ زوجوا الاکفاء یہ محمد وہی راوی ہے جو متہم با کذب ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب صفحہ ۲۷۰) حافظ ابن حجر عسقلانی اسماء رجال کی اپنی مفصل کتاب تہذیب التہذیب جلد دوم صفحہ ۱۵۲ پر حارث بن عمر کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ محدث ابوزرعہ نے حارث بن عمران کو ضعیف الحدیث کے ساتھ واہی تباہی روایتیں روایت کرنے والا قرار دیا ہے۔ محدث ابن ابی حاتم کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہے۔ اور ہشام عن ابیہ عن عائشہ جو روایت تخیروا لنطفکم بیان کی ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ و الحدیث الذی عن هشام عن ابیه عن عائشه تخیرو لنطفکم لا اصل له قال ابن حبان۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ کہ وہ ثقہ راوی کے حوالے سے حدیثیں گھڑتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی کل ہی سیدھی نہیں ہے۔ ایک طرف یہ روایتیں اور ان کی اسنادی حیثیت ہے اور دوسری طرف قرآن کی عمومی آیات صحیح احادیث نبویہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں کہا گیا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے برابر ہے۔ مثلاً ○ و احل لکم ما وراء ذالک ما طاب لکم من النساء مثنی ثلاث و رباع ○ انما المومنون اخوۃ ○ انما المومنون و المومنات اولیاء بعضهم لبعض۔ ○ ان اکرمکم عند الله اتقاکم۔ آخر الذکر آیت ابوداؤد اور امام قرطبی کے مطابق برادری

میں کفو کی تردید کے لیئے نازل ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث وارد ہیں ان سے موجودہ رائج تصور کفاءت کی تردید ہوتی ہے۔ پیشہ اور دین واخلاق کے ضمن میں جو صحیح روایات نقل کی گئی ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی روایتوں سے غیربرادریوں میں نکاح کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ جیسے ماقبل میں حضرت زینبؓ کا حضرت زیدؓ سے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کو حضرت اسامہؓ سے نکاح کے لیے فرمایا۔ ابو ہندؓ کا بنو بیاضہ کے یہاں رشتہ کرنے کا ذکر بھی آچکا ہے۔ ایک انصاری کو آپؐ نے حضرت بلالؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن از امام قرطبی جلد۱۶' آیت ان اکرمکم کے تحت) اسود بن مقداد کا نکاح سباغہ بنت زہیر بن عبدالمطلب سے کردیا تھا۔ (دار قطنی کتاب النکاح فتح القدیر جلد سوم کتاب النکاح) حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل بھی بالکل یہی تھا۔ مثلاً حضرت بلالؓ کے نکاح میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بہن تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی بہن ام فروہ کی شادی اشعث بن قیس سے کردی تھی۔ (المغنی لابن قدامہ جلد۷ کتاب النکاح) حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی سے نکاح کا پیغام دیا تھا جسے صدیق اکبر نے قبول فرمالیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن' جلد۱۶)

مذکورہ تفاصیل سے یہی تو ثابت ہوتا ہے کہ غیربرادری میں نکاح ہوجاتا ہے اور جائز ہے۔ آخر میں جمعیت علماء کے صدر اول اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے ایک دو فتوے کا حوالہ دوں گا۔

ایک طویل استفتاء کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"صحت نکاح کے لیے مرد عورت کا مسلمان ہونا اور عورت کا مشرکات میں سے نہ ہونا فی حد ذاتہ کافی ہے۔ قرآن مجید کے نصوص صحیحہ اس پر دال ہیں۔ قرآنی آیت و احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم الو فانکحو ماطاب لکم من النساء اور سنت سنیہ نبویہ نے عملی طور سے اس کی تصدیق کردی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب ہاشمیہ کا عقد زید معتق سے باوجود زینب کی طرف سے انشراح قلب نہ ہونے کے کردیا۔ اس کے علاوہ بہت سی مثالیں صحابہ کرامؓ کے افعال اور طرز عمل میں موجود ہیں کہ نسبی تفاوت ہونے کے باوجود نکاح ہوگئے۔ پس نصوص قرآنیہ اور تعامل صحابہؓ اور سلف صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاء

ت نسبی فی حد ذاتہ صحت انعقاد نکاح کی شرط نہیں ہے۔'' (کفایت المفتی جلد پنجم صفحہ ۲۲۰)

ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''کفاءت شرائط صحت نکاح میں داخل نہیں ہے۔'' (ایضاً'' صفحہ ۲۲۵)

ایک اور فتوے میں کہا:

''سید زادی بالغہ غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی سے یا اس کے اولیاء میں اگر کوئی نہ ہو تو اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے (ایضاً'' صفحہ ۲۱۶)۔

اسلام میں کفاءت

اس سلسلہ میں امور کفاءت میں سے آخری امر اسلام پر بحث کرنی ہے۔ اب تک ان امور کفاءت پر بحث و گفتگو ہوئی ہے جن کا تعلق اہل اسلام سے براہ راست ہے اور بالواسطہ پیشہ اور نسب کے توسط سے غیر مسلموں میں غلط پیغام جاتا تھا۔ لیکن کفو میں اسلام کا مسئلہ بالکل دوسری نوعیت کا ہے اور موجودہ حالات اور موضوع کے لحاظ سے سب سے اہم اور نازک ہیں۔

کفو میں اسلام کی جو بات کی جاتی ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو پوری امت میں صریح قرآنی آیات کے پیش نظر متفق علیہ ہیں لیکن اس کا دوسرا پہلو جو ہے اس پر کسی قرآنی آیت صحیح روایات یا کسی صحابی کے قول و فعل کی بات تو دور کی کسی ضعیف روایت تک میں اشارتاً'' بھی کچھ نہیں ملتا ہے۔ متفق علیہ لازمی پہلو تو یہ ہے کہ انعقاد نکاح کے لیے لڑکا لڑکی کا مرد عورت دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نکاح کا سرے سے تحقق ہی نہ ہوگا۔ یہ **لا تنکحوا المشرکات حتی یومن** جیسی آیات سے صراحتاً'' ثابت ہے۔

مسئلے کا مخدوش اور قبول اسلام میں سب سے بڑا حارج پہلو خاص طور سے ہندستان میں یہ ہے کہ جدید الاسلام قدیم الاسلام لڑکی کا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ ہماری فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص خود مسلمان ہوگیا اور اس کا باپ کافر تھا وہ شخص اس عورت کا کفو نہیں جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان تھا۔ اور جو شخص خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان ہے

لیکن اس کا دادا مسلمان نہیں وہ اس عورت کے برابر نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہے۔ یہ اردو کے فتاوں اور ہدایہ' بدائع الصنائع ردالمختار جلد دوم کتاب النکاح میں مسئلہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ عام فقہاء تو نو مسلم کو تمام مسلمانوں کا کفو قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے فقہاء احناف کے یہاں مسئلہ کی کچھ تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عرب عجم میں فرق ہے۔ عرب میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے باہم کفو ہیں۔ لیکن عجم مثلاً ہندستان میں کفو کا اعتبار ہوگا اور یہ دو پشتوں تک ہے۔ اگر کسی آدمی کا باپ دادا دونوں مسلمان ہوں تو وہ قدیمی مسلمان کا کفو ہو سکتا ہے۔ اس فرق کی علت کیا ہے؟ نو مسلم قدیم مسلمان کا کفو کیوں نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ تو بہت اہم سوال ہے۔ جن متقدمین فقہا نے جدت و قدامت کا [illegible]ح میں اعتبار کیا ہے ان کے سامنے کیا حالات تھے انہوں نے ایسا کیوں کیا ان سب باتوں کا کوئی جواب ہماری کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔ ہمارے ہندستان میں جن بزرگوں اور علمائے مفتیان کرام نے محض عربی کا اردو ترجمہ کردیا انہوں نے بھی اس فرق پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔ اس کے معاً بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرے گا وہ نو مسلم ہی ہوگا۔ جب وہ قدیم مسلمانوں کا کفو نہیں ہوگا شادی بیاہ نہیں ہوگی تو دو پشت مسلمان کیسے ہوگی؟ ایک تو جس سماج ماحول کو وہ چھوڑ کر آیا ہے اسے چھوڑنا ایک انتہائی مشکل ترین مسئلہ ہے اور جب دوسرے سماج یعنی دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر مسلم سماج میں شامل ہو گیا تو وہاں بھی اسے مشکلات کا زبردست سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا ایسی صورت میں کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنے کی ہمت و جرات کرے گا۔ مسئلہ کا یہی وہ سنگین پہلو ہے جس نے ہمیشہ اہل فکر و نظر کو حل مسئلہ کے لیے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ موجودہ صورت میں مسئلہ پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ مسئلہ کا یہ پہلو قبول اسلام کی راہ میں بلاشبہ حارج اور زبردست رکاوٹ ہے۔ ماضی میں بھی اس سوال کی جھلک ملتی ہے۔ بالکل ماضی قریب میں مسئلہ کی سنگینیت کو محسوس کیا گیا تھا۔ ایک صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے زیر بحث مسئلہ کے تعلق سے کچھ سوالات کیے تھے۔ سوالات اور جوابات دونوں امداد الفتاوی جلد دوم کتاب النکاح میں موجود

ہیں۔ لیکن سوالات جس قدر سنگین سنجیدہ اور واضح ہیں اس قدر جواب نہیں۔
نمبر دو کا سوال جو ہمارے موضوع بحث سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے:

"آبائی مسلمان شریف ہیں ان نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا یا اس کا باپ مسلمان ہوا ہو۔ یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے۔ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے اور یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جو جواب دیا گیا ہے وہ یہ ہے:

"اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے خواہ وہ معصوم کا قول ہو یا علماء کا۔ تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے۔ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے۔ اگر خصوص معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے۔ اور اگر صرف علماء کے قول ہی پر یہ محذور لازم کیا ہے۔ اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں۔"

آگے مزید لکھتے ہیں:

"جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے۔ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے یا بعض کے اعتبار سے۔ شق اول تو مشاہدۃ" باطل ہے۔ کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے۔ بعض کفار کے لیے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہیں۔ مثلاً جہاد....... .... تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کرسکتے ہیں۔"

آگے حضرت تھانوی ایک عجیب بات تحریر کرتے ہیں کہ:

"مساوات مطلقہ بعض کفار کے لیے مانع عن الاسلام ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہوجائے کہ میں مسلمان ہوکر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کے برابر سمجھا جاؤں گا اور اگر وہ میری لڑکی کے لیے پیام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لیے موجب معیشت اور موجب عقوبت آخرت ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ معلوم کرکے وہ اسلام سے رک جاوے۔ (امداد الفتاویٰ جلد دوم کتاب النکاح

صفحہ ۳۵۱-۳۵۲)

یہ سوال و جواب آج سے تقریباً ۶۵ سال قبل کے ہیں۔

سوال جواب دونوں کو غور سے پڑھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سوال حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہے جب کہ جواب سراسر مفروضہ اور منطقی اینچ پیچ پر۔ سوال میں ہے کہ عدم مساوات کا قول کافر مشرکوں کو قبول اسلام سے روک رہا ہے اور جواب میں یہ کہا جارہا ہے کہ کچھ لوگ قبول اسلام سے رک سکتے ہیں۔ ممکن ہے رک جائیں۔ دونوں تقدیروں پر یہ اور وہ لازمی آتا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کا مصداق بالفعل خارج میں موجود نہیں ہوتا ہے۔ سائل تو صرف یہ پوچھ رہا ہے کہ صورت مسئولہ میں کیا معصوم کا قول ہے؟ کس لفظ سے ایک رائے سے قول معصوم خصوصاً پیغمبر کا رد لازم آرہا ہے۔ مسئلہ کل یا بعض کا نہیں بلکہ اشاعت اسلام اور قبول اسلام کا ہے۔ چاہے ایک فرد ہی قبول اسلام سے رک جائے۔ جواب سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو ہندستانی عوام کے حالات کا پوری طرح اندازہ نہیں تھا اور اس سماجی اونچ نیچ کی موجودگی میں زیادہ سنجیدگی سے نہیں لے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد سب مرتد نہیں ہوجاتے ہیں۔ اگر سب نہیں تو ایک دو ہی کا مرتد ہونا کوئی کم سنگین مسئلہ نہیں ہے۔ اول تو یہی بات خلاف واقعہ ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفو کے نام پر تفریق اور اونچ نیچ ہے۔ غیر مسلم تو دائرۂ اسلام میں آتے ہی اس لیے کہ وہاں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ کتنے رئیس امیر راجپوت ایسے ہیں جنہوں نے صرف اس لیے اسلام قبول نہیں کیا کہ اسلام میں سب برابر ہیں۔ یہ صرف مفروضہ ہے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک مفروضہ کی بنیاد پر سامنے کی حقیقت کو نظرانداز کردینا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کا ہندستانی سماج کے عوام سے کوئی زیادہ سابقہ نہیں رہا ہوگا۔ اس کے برعکس سیدنا شیخ الاسلام احمد مدنی کا ماننا ہے کہ جات پات اور سماجی اونچ نیچ قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ (تفصیل مقدمہ نقش حیات میں دیکھیے)

مولانا تھانوی کے مقابلہ حضرت مدنی کی بات زیادہ قابل توجہ اور وقیع ہے

کیونکہ آپ کا سماج سے عملی تعلق تھا۔ جہاں آپ نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پورے ملک کا برابر دورہ کرتے تھے اس سے آپ کو صورت حال کا صحیح علم و اندازہ تھا۔ حضرت مدنی میدان کے آدمی تھے اس لیے انہیں معلوم ہوا کہ سماج میں موجودہ اونچ نیچ اور جدید و قدیم کی تفریق اشاعت اسلام میں رکاوٹ ہے۔ لہٰذا جات پات اور برادری واد قابل مذمت ہیں۔

راقم الحروف نے زیر گفتگو یعنی جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کے درمیان عدم کفاءت عرب و عجم میں تفریق پر بہت غور کیا۔ لیکن ہمیں اس کی کوئی وجہ و دلیل نظر نہیں آئی۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے اسلام قبول کیا انہیں تقدم زمانی کے اعتبار سے سبقت الی الاسلام کی جزوی فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس سے شادی بیاہ کے معاملہ میں عدم کفو کا مسئلہ کیسے مستنبط ہوگیا؟ کوئی جزوی فضیلت ازدواجی رشتہ کے قیام میں کسی بھی لحاظ سے مانع نہیں ہے۔ نومسلم کو قدیمی مسلمانوں کا کفو نہ ماننا انتہائی دوررس نتائج کا حامل ہے۔ یہ نئے مہمان کا استقبال نہیں بلکہ اس کے ساتھ بے توجہی اور غیرہمدردانہ رویہ ہے اس کا کتنا بڑا نقصان ہوتا ہے اور ہوا ہے' اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یقین جانئے اگر ہندستان میں نومسلم اور قدیمی پچاس یا سو سال قبل اسلام قبول کرنے والوں کے مابین تفریق نہ کی جاتی تو آج ہندستان کا نقشہ بالکل دوسرا ہوتا۔ ایک دو مثالوں سے اس کا قدرے اندازہ ہوجائے گا۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی اعظم کفایت اللہ علیہما الرحمۃ کو بہت شدت سے مذکورہ معاملہ کا احساس تھا۔ حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ نے راقم الحروف سے بارہا فرمایا کہ ہندستان جیسے ملک میں قدیم اور جدید کی بات بالکل نقصان دہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا نے راقم الحروف مولانا اقبال قاسمی اور مفتی شہاب الدین قاسمی کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ ضلع بجنور کے نہٹور علاقہ میں تیاگی چودھریوں کی آبادی ہے۔ ایک بار آزادی سے قبل علاقے کے تمام غیرمسلم چودھریوں نے قبول اسلام کا تہیہ کیا لیکن ان کی صرف ایک شرط تھی کہ جب ہم اسلام قبول کرلیں اور جن لوگوں

نے سو پچاس سال قبل اسلام قبول کرلیا ہے وہ اپنی بیٹیاں ہمیں دیں اور ہم سے ہماری بیٹیاں لیں۔ یہ بڑا اہم مسئلہ تھا۔ علاقے کے مسلم چودھریوں نے باہمی مشورہ کرنا شروع کیا اور اس پر تین روز تک گرماگرم بحثیں ہوتی رہیں۔ بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر پہلے اسلام قبول کرنے والے چودھریوں نے یہ افسوس ناک فیصلہ کیا کہ نہ ہم بیٹی دیں گے اور نہ بیٹی لیں گے کیونکہ تم ہمارے برابر نہیں ہو۔ اس احمقانہ اور غیردانشمدانہ فیصلہ کا بھیانک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ گاؤں کے گاؤں اور پوری آبادی دولت اسلام سے محروم رہ گئی۔ مولانا اسعد مدنی مدظلہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا جن لوگوں نے ہندستان میں جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کی بات کو ہوا دی انہوں نے ایک طرح سے اسلام کے ساتھ غداری کی ہے۔ یہ بات انہوں نے ۱۵ر جون ۱۹۹۴ء کو کہی۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ مشہور دلت رہنما اور قانون ساز ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر سے متعلق ہے۔ وہ لاکھوں دلتوں کے ساتھ تبدیلی مذہب کرنے پر غور کررہے تھے۔ مختلف مذاہب کے رہنما ان سے مل کر اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بتارہے تھے' مسلم رہنما بھی آجارہے تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب "ہندومت کی پہیلیاں" منظرعام پر آچکی تھی۔ دیگر علماء کی طرح حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ملاقات کی اور اسلام کا پیغام مساوات اور اخوت سے روشناس کرایا۔ یہ ملاقات ڈاکٹر امبیڈکر کی لائبریری میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کتابوں کی ایک الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"مولانا آپ اس الماری میں کتابیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب مذہب اسلام اور اسلامیات سے متعلق ہیں۔ میں نے سید امیر علی عبداللہ یوسف علی اور دوسرے بہت سے مسلم' نومسلم اور غیرمسلم اور اسلام کے اسکالرز کی کتابوں کا توجہ سے مطالعہ کرلیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصولی طور پر اسلام سماجی جمہوریت اور انسانی مساوات کا داعی و نقیب ہے۔ لیکن ہندستان میں آپ لوگ منو کے ورن آشرم پر عمل پیرا ہیں اور آپ نے اپنے سماج کو بھی جات برادری میں تقسیم کررکھا ہے۔ میں اگر اسلام قبول کرلیتا ہوں تو آپ مجھے کس خانے میں رکھیں گے۔" (ہندستانی معاشرے میں

مسلمانوں کے مسائل صفحہ ۳۴۱-۳۴۲، مرتب ڈاکٹر اشفاق محمد خاں، مطبوعہ پیٹریاٹ پبلشرز نئی دہلی، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۰ء)

ان تفصیلات و واقعات کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندستانی مسلم سماج میں موجودہ رائج تصور کفو اشاعت اسلام میں حارج ہے۔ خاص طور سے پیشوں، نسب اور نو مسلم اور قدیمی مسلمانوں کے مابین عدم کفاءت کے مسئلے۔ یہی وہ حالات ہیں جن میں جمعیت علماء ہند کے پہلے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ:

"نو مسلم جو نیک صالح اور صوم صلوٰۃ کے پابند ہوں ان کو لڑکی دینا جائز بلکہ موجب اجر و ثواب ہے جو لوگ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ گنہگار ہوں گے"۔ (کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۲۱۱)

یہ جواب آپ نے ایک نو مسلم عبدالرحمٰن کے سوال کے جواب میں دیا تھا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو۔

اسی طرح کا ایک استفتاء حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں یکم راپریل ۱۹۴۰ء میں بھیجا گیا تھا۔ استفتاء یہ تھا کہ:

"سائل کو مع اہلیہ دین اسلام قبول کیے ہوئے ۲۴ سال ہوئے۔ اس مدت میں دو لڑکے ہوئے جن کی عمر ۱۷- ۱۹ سال کی ہے۔ ان کی شادی کے لیے مسلمانوں میں پیام بحیثیت مسلمان ہونے کے دیا گیا تو بعض حضرات جن کو اپنی علمیت دینی کا دعویٰ ہے، فرماتے ہیں کہ نو مسلم کی اولاد کا نو مسلم کی اولاد سے رشتہ ہونا چاہیے۔ چناں چہ اس فتوے سے شادی کالعدم ہو گئی۔"

اس کا جواب حضرت مفتی صاحب نے جو دیا تھا وہ یہ ہے:

"نو مسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ نو مسلم اولاد کی شادی نو مسلم کی اولاد کے ساتھ ہو۔ جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نو مسلم کی اولاد کی شادی نو مسلم کی اولاد سے ہی ہونا چاہیے وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نو مسلم ہو، بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم اور نو مسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کرسکتے ہیں۔ کوئی ممانعت نہیں۔ جو مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔" (کفایت المفتی جلد ۵

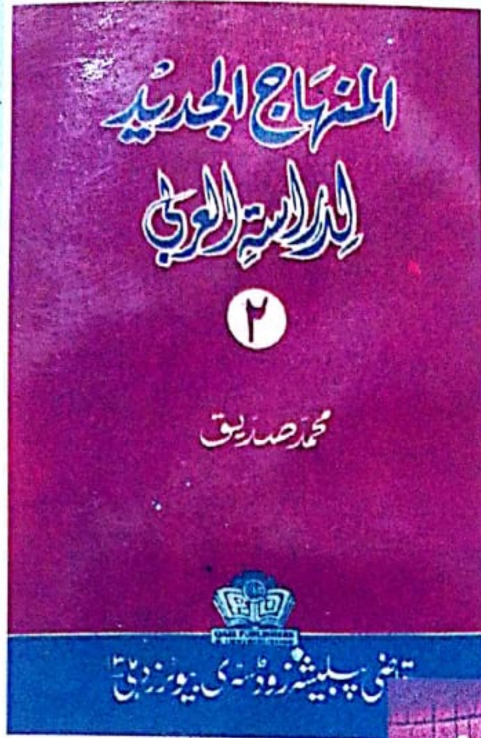
صفحہ ۲۴۱)

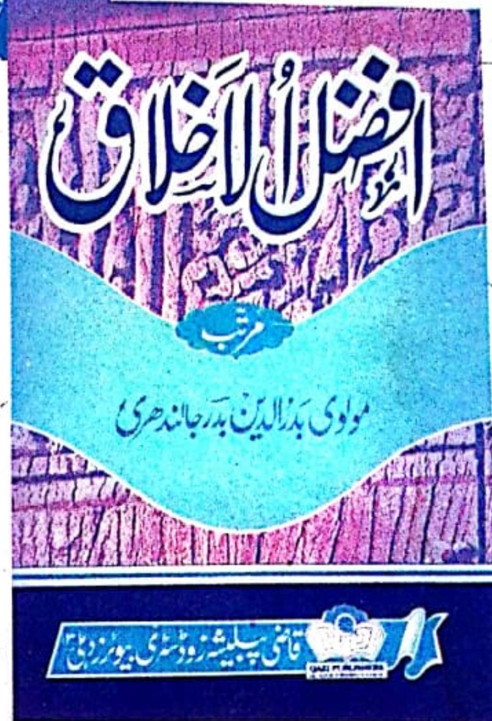
یہ جواب کس قدر خوبصورتی سے شریعت اور ہندستانی سماج کے تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ اس جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی شریعت کے مصالح اور حالات پر کتنی گہری نظر تھی۔ لیکن معاملہ کا یہ پہلو بڑا افسوس ناک ہے کہ کفایت المفتی' فتاوی رضویہ' قانون شریعت بہار شریعت اور بہشتی زیور امداد فتاوی کی طرح رائج نہ ہو سکی اور حضرت مفتی صاحب کی مجتہدانہ فتوے کی آواز محدود ہو کر رہ گئی۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس آواز کو دور دور تک پہونچایا جائے اور جہاں تک ہو سکے ہر صاحب ایمان کو چاہیے کہ مسلم سماج میں کفو کے نام پر جو بے معنی اونچ نیچ ہے اسے اپنے طور پر ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ جمعیت علماء ہند نے مارچ ۱۹۴۲ء میں ایک تجویز کے ذریعہ جات برادری کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا تھا:

"اس حقیقت کے پیش نظر اسلام نے مسلمانوں میں فرق مراتب کا معیار تقوی اور سیرت کو قرار دیا ہے۔ نسل و حرفت پر اس کا دارومدار نہیں رکھا۔ نیز تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی نسل اور کسی سرزمین کے باشندے ہوں' بھائی بھائی اور اسلامی حقوق میں مساوی بنایا ہے اور کسی شخص کو اس کی نسل و حرفت کی وجہ سے رذیل اور کمین قرار نہیں دیا ہے۔ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ اس زرین اصول کو اختیار کریں اور ہندستان کی غیر مسلم اقوام کی صحبت و اختلاط سے شرافت اور رذالت کا جو غیر اسلامی تخیل پیدا ہو گیا ہے اس کو جلد از جلد مٹادیں۔ بعض مقامات پر سرکاری کاغذات میں بھی بعض جماعتوں کو کمین لکھا جاتا ہے' اس کو ختم کرانے کی حتمہ سعی کریں اور تمام پسماندہ افراد کو خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں' تعلیم و تہذیب سے بہرہ ور کرکے ترقی کے مدارج پر پہونچانے کی منظم کوشش شروع کردیں اور قابلیت کے معیار کے مطابق ان کے لیے ہر قسم کی خدمات اور ملازمتوں کے لیے دروازے کھول دیے جائیں۔ یہ کوشش ایک صحیح اسلامی اور انسانی خدمت ہوگی اور اس کے ذریعہ اسلامی اصول کی برتری دنیا پر واضح کرنے اور احیائے ملت کا اجر عظیم حاصل کریں گے۔"

یہ تجویز ایک زریں اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی روشنی میں آئندہ کے لیے لائحہ عمل بڑی خوبصورتی سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں شرافت و

رذالت اور اونچ نیچ کی سوچ پر مبنی جات پات کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس نے تقدیس و تحقیر اور فخر بالانساب کے تمام تر دروازے بند کردیے ہیں۔ لیکن شادی بیاہ میں کفو میں غیر ضروری شدت اور غلط تعبیر سے برادری واد اور اونچ نیچ کی سوچ کو کسی نہ کسی طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر بڑھاوا مل جاتا ہے اس کے پیش نظر ہمارا صاف اور واضح نقطہ نظر ہے کہ مسلم سماج میں موجودہ تصور کفو اشاعت اسلام میں حارج ہے لہٰذا اسے دور کرنے کے لیے ہر دین پسند اور انسانیت سے ہمدردی رکھنے والے کو ختم کرنے کی ہر سطح پر سعی بلیغ کرنی چاہیے۔





قاضی پبلیشرز و ڈسٹری بیوٹرز

بی-۳۵، بیسمینٹ، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی-۱۳